حَربِ اُمید

از قلم: سیدہ عمیمہ فاروق

باب اوّل: "کہر"

Episode (1-3)

بازار آف ناولز پر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمارے پلیٹ فارم کا مقصد قارئین تک اردو ادب کا بہترین مواد پہنچانا ہے۔ بہترین ناولز کی پی۔ڈی۔ایف کے لیے ہماری ویب سائٹ ضرور وزٹ کریں۔

اگر آپ لکھاری ہیں اور بہترین مواد لکھتے ہیں، جو بے حیائی سے پاک اور عمدہ کونٹینٹ پر مبنی ہوتا ہے، لیکن آپ کے کام کو پذیرائی نہیں ملتی تو اپنا لکھا ہمیں ضرور بھیجیں۔ بازار آف ناولز کو آپ جیسے لکھاریوں کی اشد ضرورت ہے۔ آپ ہم تک دیے گئے پلیٹ فارمز کے ذریعے پہنچ سکتے ہیں۔

Website : www.baazarofnovels.com

Gmail : baazarofnovels@gmail.com

Instagram : @baazarofnovels

WhatsApp : +92 3158473374

"یہ ادبی تخلیق 'حربِ اُمید از قلم سیدہ عمیمہ فاروق' بازار آف ناولز کے کے لیے تحریر کی گئی ہے اور بازار آف ناولز کے لیے مخصوص ہے۔ مصنفہ کی تحریری اجازت کے بغیر اس ناول کی اشاعت، نقل یا کسی بھی صورت میں استعمال قانونی جرم تصور ہو گا۔"


1
مجھے اس سے یک طرفہ محبت ہے
یک طرفہ محبت جو کاش سے
شروع ہو کر خیر پر ختم ہوجاتی ہے۔
کاش وہ مل سکتا،
پر چلو خیر ہے۔
♡
2
تم سے کتنا پیار کیا،
خود سے بھی زیادہ
زندگی سے بھی زیادہ
پھر بھی کم پڑ گیا؟
♡
3
کچھ چیزیں آپ کو مسکرا کر
چھوڑنی پڑتی ہیں اور اس وقت
آپ کی وہ "مسکراہٹ" بھی
آخری ہوتی ہے اور
"نقصان" بھی آخری ہوتا ہے۔
♡
4
"اور پھر چڑیا
گھونسلا چھوڑ کر
اُڑ گئی ۔۔۔"
♡
5
اس نے گناہ کیا نہیں تھا
اس سے گناہ ہو گیا تھا۔
♡
حرفِ اُمید
نا اُمیدی کے صحرا میں
امید کی آخری کرن تھامنے والوں کے نام۔
Journalism

انتساب

ناامیدی کے صحرا میں اُمید کی آخری کرن کو تھامے رکھنے والوں کے نام۔

میری مرحومہ دادی **فاطمہ بی بی** کے نام، جن کی دعائیں آج بھی میرے لفظوں میں سانس لیتی ہیں۔

پیش لفظ

"حرب" عربی زبان کا لفظ ہے جس کی معنی جنگ یا لڑائی کے ہیں۔ اور "اُمید" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب آس، توقع یا hope کے ہیں۔

اس طرح **"حربِ اُمید"** دو مختلف زبانوں کے الفاظ کا خوبصورت امتزاج ہے، جس کا مفہوم بنتا ہے:

"اُمید کی جنگ" یا "اُمید کے لیے لڑی جانے والی جنگ"

یعنی ایسی جنگ جو انسان اپنی ناامیدی، دکھ، بے وفائی اور ٹوٹ پھوٹ کے خلاف صرف ایک چھوٹی سی امید کے سہارے لڑتا ہے۔

اس کہانی کا آغاز اس اُمید کے ساتھ کرتی ہوں کہ یہ آپ سب کو پسند آئے گی، اور اس کے کردار، احساسات اور سفر آپ کے دل کو ضرور چھو لیں گے۔

اگر اس کہانی میں کوئی غلطی یا کمی محسوس ہو تو ضرور آگاہ کیجیے گا، تاکہ میں اپنی اگلی تحریر میں بہتری لا سکوں۔ آپ کی رائے اور محبت میرے لیے ہمیشہ حوصلے کا باعث رہے گی۔

مصنفہ: سیدہ عمیمہ فاروق

"اور پھر چڑیا گھونسلا چھوڑ کر اُڑ گئی۔۔۔"اس کا سر اپنے کندھے پر آہستہ آہستہ تھپکتے انہوں نے کہا۔

"ڈیڈی۔۔۔!اگر چڑیا کو اُڑ ہی جانا تھا تو پیڑ پر گھونسلا بنایا ہی کیوں؟"

سوئی جاگی آنکھیں جھپک کر نیند میں ڈوبی معصوم آواز کے ساتھ چھ سالہ زیبا نے اچانک سوال کیا۔زیبا کی آواز سنتے نیند میں جاتی ظہرہ نے اپنا سر اُن کے کندھے سے اُٹھا کر بہن کو دیکھا تھا۔ بختیار احمد بخار میں تپتی ظہرہ کو گود میں اٹھائے چکر کاٹتے سلانے کی کوشش کر رہے تھے۔اور زیبا کے اس کے معصوم سوال پر ہنس کر رہ گئے۔

"تاکہ جب وہ اُڑنا پائے تو اپنے گھونسلے میں لوٹ آئے۔"

بختیار احمد نے ہنستے ہوئے اسے یہ جواب دیا تھا۔ مندی مندی آنکھوں کو مسلتے بیڈ پر دونوں پیر لٹکائے نیند میں ڈوبی زیبا کی بڑی بڑی غلافی آنکھیں نہایت ہی پُرکشش تھیں۔ نیند میں ہونے کے باوجود وہ باپ کے بستر پر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

زیبا کے فٹ سے سوال کرنے پر بختیار احمد کے ساتھ ساتھ سائرہ بیگم بھی ہنس پڑی تھیں۔ اُس وقت یہ بات کرتے ہوئے انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ایک دن ان کی چڑیا نے بھی لوٹ آنا تھا۔

"چلو زیبا بہت رات ہو گئی اب سو جاؤ۔ ڈیڈی ظہرہ کو سلا کر یہیں آئیں گے۔"

سائرہ بیگم نے نرمی سے اُس کے نرم ملائم بالوں میں ہاتھ پھیرتے اُسے بستر پر لٹانا چاہا۔

"ظہرہ کب سوئی گی ممّی۔۔؟"

ہونٹ باہر نکالے وہ رونے والی ہو گئی تھی۔

"بہن بیمار ہے زیبا، جب وہ سو جائیگی تو ڈیڈی اسے بلکل تمہارے پاس سلائیں گے۔۔ ٹھیک ہے میری پیاری بیٹی۔۔"

اُس کے بالوں سے ہیئر بینڈ نکالتے سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

"مجھے بھی ظہرہ کا خیال رکھنا ہے۔ آپ اُسے میرے پاس سلا دیں ناڈیڈی۔۔"

وہ ضدی ہوتے بولی تھی۔ زیبا کے لیے ظہرہ گڑیا تھی۔۔ جس کا خیال رکھنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی۔۔ پر بخار میں تپتی ظہرہ کو اس وقت صرف اپنے ڈیڈی کی گود چاہیئے تھی۔

"ظہرہ کا خیال رکھنے کے لیے پہلے زیبا کو بڑا ہونے پڑیگا۔۔ اور جو بچے وقت پر نہیں سوتے وہ بڑے نہیں ہوتے۔۔ چلو اب ممّی کے پاس آؤ، میں اپنی بیٹی کو بہت پیاری کہانی سُناؤں گی۔۔ پھر وہ جلدی سو کر صبح بڑی ہو کر اُٹھے گی۔"

"ظہرہ بھی بڑی ہو کر اُٹھے گی ممّی۔۔؟"

اُن کے بازو پر سر رکھے ان پر ہاتھ پیر چڑھائے اب وہ سونے لگے تھی۔

"ہاں۔۔ ظہرہ بھی بہت جلدی بڑی ہو کر اُٹھے گی۔۔"

اُسے پچکارتے ہوئے انہوں نے ایک نظر ظہرہ کو گود میں اُٹھائے ٹہلتے ہوئے شوہر کو دیکھا۔۔ اپنی بیٹیاں انہیں اس دنیا میں کتنی عزیز تھیں یہ بات کوئی سائرہ بیگم سے پوچھتا۔

اُنہیں یوں ہی ادھر سے اُدھر چکر کاٹتے دیکھتے جانے کب اُن کی آنکھ لگی انہیں اندازہ نہیں ہوا۔ ظہرہ کو زیبا کے برابر میں لٹاتے بختیار احمد نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کو نہارا وہ دونوں ہو بہو

ماں کی کاربن کاپی تھیں۔خوبصورت بڑی بڑی آنکھیں نازک سے نین نقش اور چہرے پر بلا کی معصومیت۔

ان کی بیگم دونوں بیٹیوں سمیت گہری نیند میں جا چکی تھیں۔اُن سب پر چادر درست کرتے وہ وضو کرنے چل پڑے تھے۔

✦✧✦.....✦✧✦

ڈھلتے سورج کی سنہری کرنیں بالکنی سے ہوتی اس کے کمرے کی دیواروں پر سنہرے رنگ بکھیر رہیں تھیں۔بالکنی میں رکھے مٹی کے برتن میں موجود پانی سے پرندے شام کے آخری پہر خود کو سیراب کرتے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

بھاری اخروٹ کی لکڑی کے فرنیچر سے آراستہ وہ کمرہ اپنے مکین کے اعلیٰ ذوق اور حیثیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔۔

کمرے میں موجود ہلکی ہلکی روشنی میں وہ چلتی ہوئی آئینے کے سامنے کھڑے ہوئی۔

اُس نے ایک نظر اپنے چہرے پر ڈالی، ٹھیک چھ ماہ بعد وہ آئینہ دیکھ رہی تھی۔گہرے نیلے رنگ کی لمبی قمیض اور ٹراؤزر پہنے، بالوں کی چٹیا کیے، ایک نظر میں وہ خود کو پہچان نہیں سکی۔

اپنے چہرے کو آہستہ سے دائیں بائیں کرتے اس نے کوئی زخم تلاشنا چاہا۔ پر اب وہاں کوئی زخم نہیں تھا۔ اُس کا چہرہ اب نشانات سے عاری تھا۔ چھ ماہ پہلے ہونے والے حادثے کے زخم مندمل ہونے لگے تھے۔

وہ زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکی۔ اس کی چال میں واضح لنگڑاہٹ تھی۔ ایک طرف ہوتے اس نے ایک نظر دیوار پر نسب اپنی تصویر پر ڈالی۔ اب اس کا چہرہ صاف تھا، پر شادابی جیسے کہیں کھو گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے تھے۔ اور رنگت پہلے سے کہیں دب گئی تھی، ایک بار دیکھنے پر تو رنگت پیلی زرد نظر آتی۔

تصویر میں موجود لڑکی کی آنکھوں میں چمک تھی اور سامنے کھڑی لڑکی کی آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔

اُس نے دیوار کا سہارہ لے کر خود کو تکلیف سے بچانا چاہا۔ زیادہ دیر کھڑے رہنے سے پیر اب درد کرنے لگا تھا۔ اچانک ہی اس کا توازن بگڑا اور سہارے کے لیے جونہی اس نے کچھ ڈھونڈنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس کا ہاتھ سائیڈ ٹیبل پر پڑے گلدان پر لگا، اور چھن کی آواز کے ساتھ گلدان کے ٹکڑے ہوئے۔

ایک دھماکے کی سی آواز آئی تھی۔ وہ سہم کر پیچھے ہوئی اب کی بار دیوار کا سہارا لیا۔

آواز سنتے واشروم میں موجود زیب النساء جلد بازی میں گھبراتی ہوئی باہر نکلی۔ اسے ایسے دیکھتے وہ بھاگ کر اس تک گئی اور سہارے سے اسے پلنگ کے کنارے تک پہنچایا۔ اس کے ہونٹ کپکپائے تھے، گلدان ٹوٹنے سے وہ خود بھی سہم گئی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پر حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹک کیا۔ ضبط سے لال ہوتا چہرہ وہ جھکا گئی۔

"تم ٹھیک ہو؟ کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟"

اسے روتا دیکھ زیب النساء نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے بے چینی سے پوچھا۔ گلدان ٹوٹنے کی آواز سُن کر بوا بھی کمرے میں دوڑتی ہوئی آئیں۔ اس کی حالت سے گھر کا ہر فرد ہی واقف تھا۔ اسے ایک پل بھی اکیلا نہیں چھوڑا جاتا تھا۔

"کیا بات ہے؟ ایسے کیوں رو رہی ہو۔۔۔؟ میرا دل لرز رہا ہے خدارا کچھ تو بولو۔۔"

وہ اب پلنگ پر بیٹھی تھی اور زیب النساء اس کے پیروں کے پاس اس کے دونوں ہاتھ تھامے بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

بوا نے ایک نظر دونوں بہنوں کو دیکھا۔ وہ بہن ہی ہوتی ہے جو آپ کی تکلیف اپنے جسم و روح پر محسوس کرتی ہے۔ بڑی بہنیں ماں کا دوسرا روپ ہوتی ہیں۔ چاہے وہ ساری زندگی لڑتی

جھگڑتی رہیں۔ پر رونے کے لیے آپ کو ان کے گلے نہیں لگنا پڑتا وہ خود آپ کے گلے لگ جایا کرتیں ہیں۔ دنیا کی پرواہ نہیں کرتیں، لوگوں کا نہیں سوچتی۔ بہن کے لیے بہن سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں ہوتا، جن کی بہنیں نہیں ہوتی وہ ساری زندگی اس احساس سے محروم رہتے ہیں۔ کوئی رشتہ کوئی دوستی بہن کا نعمل بدل نہیں بن سکتی، اور وقت یہ بات خوب ثابت کرتا ہے۔

"میں لوگوں کے لیے بوجھ بن گئی ہوں۔ مجھے ہر وقت کسی نا کسی کی ضرورت رہتی ہے۔"

وہ یہ کہتے ہی منہ پر ہاتھ رکھے ہچکیوں سمیت رونے لگی تھی۔ نارسائی کا دکھ تھا، ایک عذاب تھا جو وہ جھیل رہی تھی۔ وہ جس کے پاس سب تھا اب کچھ نہیں رہا تھا۔

اس کی بات پر زیب النساء نے فوراً آگے بڑھتے اسے گلے لگا کر چوما تھا۔ بہن کی تکلیف اسے تکلیف دے رہی تھی ہمیشہ دیتی تھی۔ اس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے زیبا کی آنکھوں میں ان تمام لوگوں کے لیے نفرت تھی جو اس کی بہن کی خوشیوں کو گھن کی طرح کھا گئے تھے۔ اس کی گہری ہوتی سانسیں اور تپتا چہرہ اس بات کی گواہی تھا کہ وہ سب کچھ تہس نہس کر دینا چاہتی تھی۔

بوّا نے اس کے ہاتھ پر دباؤ دیتے اسے آنکھوں سے تسلی دی۔یوں جیسے وہ کہہ رہی ہوں۔ صبر کرو، غصہ پی جاؤ، یہ وقت ہمیشہ نہیں رہے گا، زخم ہے مندمل ہو جائے گا، دل ہے پھر جڑ جائے گا۔۔یوں جیسے انہیں اپنی کہی بات پر کاملِ یقین ہو۔

اس کے بعد انہوں نے کتھئی آنکھوں والی اس معصوم پری پیکر کو دیکھا۔جو پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بوا کا دل پسیجا تھا۔انہوں نے ہمیشہ اسے تحمل اور بردباری سے سوچ سمجھ کر سمجھداری سے عمل کرتے دیکھا تھا۔اس کا یوں بے اختیار ہونا اور ہوش گنوانا انہیں رلا رہا تھا۔

پھر اُس کے پاس بیٹھتے اس کا ہاتھ تھامتے، اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے شفقت سے کہنے لگیں۔

"اللہ نے لوگوں کو لوگوں کے لیے بنایا ہے۔۔۔ضرورت تو ہمیں ہر وقت کسی نا کسی کی ہوتی ہے بیٹی۔ آپ کی ضرورت تو پھر وقتی ہے۔"

اس کے پسینے سے بھیگے بالوں کو سمیٹتے بوا کا لہجہ نرم تھا۔

اس نے بھیگی سرخ متورم آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔وہ اب بھی اپنی حالت پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ محتاجی اس دنیا کا سب سے بڑا روگ ہے۔تکلیف سے بڑھ کر تکلیف بے بسی کی آخری حد۔اس کی تکلیف جسم سے ہوتی اب روح چھلنی کر رہی تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

روشنیوں کا شہر کراچی،

دسمبر 1997ء۔

ٹھنڈی ہوا کی لہریں یونیورسٹی کے باغ میں کھڑے درختوں کو مسلسل جھنجھوڑ رہی تھیں۔ پتوں کی سرسراہٹ اور دور دور سے آتی طلبہ کی آوازیں مل کر ایک ایسا شور پیدا کر رہی تھیں جو سردی کی شدت کو اور نمایاں کر رہا تھا۔

"ہاں، جیسے اب تو میں بڑی خوش ہو رہی ہوں۔ میرا دل چاہ رہا ہے میرا تمہارا سر پھاڑ دوں۔"

وہ غصے سے تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی، جبکہ اس کے پیچھے چلتی سفینہ اسے منانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"می۔۔۔ میں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ امی نے بھی منع کیا تھا تمہیں بتانے کو۔" اس نے منمناتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔ "اور پھر امی نے کہا تھا وہ آج مجھے فیس دے دیں گی۔۔۔ لیکن پھر۔۔۔"

"بس!"

ظہرہ نے چلتے چلتے پلٹ کر اسے گھورا۔

"تمہیں پتا ہے نا مجھے یہ 'لیکن پھر' والی کہانیاں بالکل پسند نہیں؟"

سفینہ نے معصومیت سے اسے دیکھا۔

"پتا ہے۔۔"

اور یہ بھی پتا ہے کہ تم غصے میں بہت خطرناک لگتی ہو۔"

ظہرہ کے قدم ایک لمحے کو رکے۔

"اچھا؟"

"ہاں۔ خاص طور پر جب تم اپنی ناک یوں چڑھا لیتی ہو۔"

سفینہ نے اس کی ناک کی طرف اشارہ کیا تو ظہرہ نے فوراً ناک سکیڑی۔

"بہت ہنسی آ رہی ہے تمہیں؟"

"تھوڑی سی۔"

"فیس کا مسئلہ چھپانے پر تمہیں سزا دینی چاہیے، اور تمہیں ہنسی آ رہی ہے؟"

"تم سزا دو گی تو شاید برداشت کر لوں۔"

"ہاں، دوں گی۔پہلے پوری فیس تمہاری طرف سے جمع کرواؤں گی، پھر پورا لیکچر بھی دوں گی۔"

سفینہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی، لیکن اسے فیس دینے سے روکنے کے لیے وہ آگے آئی۔

"لیکن امی نے کہا تھا وہ مجھے فیس دے دیں گی۔۔۔"
"پھر لیکن۔۔۔"

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ظہرہ نے اسے کاٹ دیا۔

"سفینہ واصف۔۔۔مجھے یہ مت بتاؤ کہ پھپھو نے کیا کہا تھا۔مجھے بس یہ بتاؤ کہ میں اتنی پرائی کیوں ہو گئی کہ یہ فیس کا مسئلہ مجھ سے شیئر نہیں کیا؟"

وہ چلتے چلتے اسٹوڈنٹس اکاؤنٹس آفس کے سامنے آ کر رک گئی۔

"تمہیں معلوم ہے نا، بچپن سے آج تک جب بھی تمہیں کوئی مسئلہ ہوا ہے، تم سب سے پہلے میرے پاس آئی ہو۔"

سفینہ نے نظریں جھکا لیں۔

"یہ مسئلہ ذرا مختلف تھا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ ہر بار تم ہی تو۔۔۔"

"تو کیا؟"

ظہرہ نے اس کے سامنے آ کر راستہ روک لیا۔

"تو میں کیا تمہاری دوست نہیں ہوں؟"

سفینہ نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

"یا اب تمہیں لگتا ہے کہ صرف اس لیے کہ میرے پاس پیسے زیادہ ہیں، تمہیں ہر بار مجھ سے مدد مانگنے میں شرمندگی ہونی چاہیے؟"

"بات وہ نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا ہے؟"

سفینہ کے پاس جواب نہیں تھا۔

ظہرہ نے ایک لمبی سانس لی اور پھر ذرا نرم پڑتے ہوئے بولی،

"اچھا، ابھی کچھ مت بتاؤ۔ پہلے فیس جمع کرواتی ہوں۔"

اس نے ناک چڑھائی۔

"اب رکو یہیں۔ میں فیس جمع کروا کر آتی ہوں، پھر تمہاری کلاس لگاتی ہوں۔"

"پکی؟"

"بہت پکی۔"

"کتنی؟"

"اتنی کہ اگر تم نے دوبارہ کوئی بات مجھ سے چھپائی نا تو میں تمہیں یونیورسٹی کے بیچ میں کھینچ کر تمہاری پوری زندگی کی کلاس لوں گی۔"

سفینہ ہنس پڑی۔

"پاگل ہو تم۔"

"اور تم بھی۔"

وہ اسے وہیں چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

سفینہ وہیں کھڑی خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

وہ اس سے غصہ تھی، ناراض تھی۔۔۔ مگر صرف اس لیے کہ اس نے اپنی پریشانی اس سے چھپائی تھی۔

دوستی کا وہ کون سا کھاتا تھا جو اس کا ظہرہ پر کھلتا تھا؟ یہ قرض جو وہ اس سے لیتی تھی، زندگی کے کس مقام پر وہ اسے لوٹا سکے گی، وہ نہیں جانتی تھی۔

گزرتے سالوں کے ساتھ ساتھ احسانات کا ایک ذخیرہ تھا جو ظہرہ بتول اس پر، اور اس کے گھر والے، اس کے گھر والوں پر کرتے آئے تھے۔

مگر سفینہ کے لیے ہر احسان اپنی جگہ ایک بوجھ تھا۔

کچھ دیر بعد ظہرہ واپس آئی تو سفینہ نے فوراً اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ہو گئی؟"

"ہاں۔"

"کتنی؟"

"یہ تمہارا کام نہیں۔"

"ظہرہ۔۔۔"

"سفینہ۔۔۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر چند لمحے خاموش رہیں، پھر ظہرہ نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے کہا نا، دوستوں کے درمیان حساب نہیں ہوتا۔ اب دوبارہ اس موضوع پر بات کی تو میں واقعی ناراض ہو جاؤں گی۔"

سفینہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔

شولڈر کٹ گھنے، چمکتے بال۔۔۔ ملائی سی ملائم سفید جلد۔۔۔ نازک نین نقش اور بڑی، کتھئی رنگ کی ذہین و چمکتی ہوئی آنکھیں۔

وہ بلا کی خوبصورت تھی۔

اور صرف خوبصورت ہی نہیں، خوب سیرت، قابل اور ذہین بھی تھی۔ نرم تاثر ہر وقت اس کے چہرے پر ٹھہرا رہتا تھا، مگر اس وقت اسی نرم چہرے پر خفگی کی ہلکی سی پرچھائیں باقی تھی۔

سفینہ نے حسرت سے اسے دیکھا۔

کتنی مکمل تھی وہ۔۔۔ دنیا کی ہر نعمت، زندگی کا سارا سکون جیسے اسے حاصل تھا۔ اس کی ذات کا ٹھہراؤ اور کشش کسی مقناطیس کی طرح ہر شخص کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔

کچھ تھا ظہرہ بتول میں، سب سے الگ، سب سے جدا۔۔۔ جو اسے سب کی **"ڈریم گرل"** بناتا تھا۔

یہ خطاب اسے اسکول کے بعد ہونے والی فیرول پارٹی میں اپنے جونیئرز سے ملا تھا، اور جب سے اس کی ذات کے ساتھ جڑ گیا تھا، جیسے اس کے نام کا حصہ بن گیا تھا۔

وہ ہر چیز میں پرفیکٹ تھی، ہر ایک سے آگے۔۔۔ اور ہر شخص کو اپنا دیوانہ بنا لینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

"اب۔۔۔ بھی ناراض ہو؟"

سفینہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں، ہوں۔"

"کتنی؟"

"بہت زیادہ۔"

"اتنی کہ اگر آج شام تمہیں اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی کھیر کھلاؤں تب بھی نہیں مانو گی؟"

ظہرہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تمہارے ہاتھ کی؟"

"ہاں، میرے ہاتھ کی۔"

"پہلے یہ بتاؤ، پچھلی بار جیسی جلی ہوئی تو نہیں ہو گی؟"

سفینہ نے فوراً منہ بنایا۔

"وہ ایک بار ہوا تھا۔۔۔ اور ویسے بھی تم نے خود کہا تھا مزے کی ہے۔"

"میں نے ترس کھا کر کہا تھا۔"

"جھوٹی!"

سفینہ نے ہلکا سا دھکا دیا تو ظہرہ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

""یہ ناراضگی ختم کروانے کی رشوت ہے؟"

"رشوت نہیں، منانے کی کوشش ہے۔"

"اور اگر میں پھر بھی نہ مانی؟"

"تو خود آ کر تمہیں مناؤں گی۔"

ظہرہ کے سنجیدہ چہرے پر بمشکل مسکراہٹ آئی، مگر وہ فوراً سنبھل گئی۔

"اتنی آسانی سے نہیں مانوں گی۔"

"اچھا، پھر تمہارے لیے وہ چاکلیٹ کیک بھی بناؤں گی جو تمہیں پسند ہے۔"

"سفینہ!"

"جی؟"

"تم مجھے جان بوجھ کر لالچ دے رہی ہو؟"

سفینہ بے اختیار ہنس دی۔

"تو آ رہی ہو شام کو؟"

ظہرہ نے کچھ لمحے اسے دیکھا، پھر بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"دیکھوں گی۔"

"نہیں، دیکھوں گی نہیں۔۔۔ آؤ گی۔ میں امی کو ابھی بتا دیتی ہوں کہ آج تم ہمارے گھر کھانا کھاؤ گی۔"

"اور اگر میں نہ آئی تو؟"

"تو میں زیبا سے مدد لوں گی، پر تمہیں ناراض نہیں چھوڑ سکتی۔"

اس بار ظہرہ ہنس پڑی۔

"اچھا بابا، آجاؤں گی۔ اب خوش؟"

"بہت۔"

سفینہ نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے اس کا بازو تھام لیا۔

"اب تو ناراضگی ختم؟"

ظہرہ نے مصنوعی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"تھوڑی سی باقی ہے۔"

"وہ بھی شام کے کھانے کے بعد ختم ہو جائے گی۔"

دونوں ایک ساتھ ہنس پڑیں۔

"معاف کر دو نا، پلیز۔"

سفینہ کی آواز اچانک بھیگ گئی۔

ظہرہ نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا، پھر اس کے کندھے سے بازو گزارتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"مجھے ایموشنلی بلیک میل مت کرو۔"

وہ ذرا سنجیدہ بننے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"میں بلیک میل ہو جاتی ہوں۔"

سفینہ کھکھلا دی، اور اس کی ہنسی کی کھنک سن کر ظہرہ بھی دھیمے سے مسکرا دی۔

"وہ تو میں بہت اچھے سے جانتی ہوں۔۔ تم مجھ سے ناراض رہ ہی نہیں سکتی۔"

"پتا ہے۔ اسی لیے تو تم سے ناراض ہونا بھی فضول ہے۔"

"تو پھر ناراض ہی کیوں ہوتی ہو؟"

"تاکہ تم مجھے مناؤ۔"

"واہ! یعنی بس یہی فضول مقصد ہے؟"

"بالکل۔"

دونوں ایک ساتھ ہنس پڑیں۔

چند قدم خاموشی سے چلنے کے بعد ظہرہ نے اسے دیکھا۔ پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے گویا ہوئی۔

"شام کو میں ڈرائیور بھیجوں گی، تم سیدھا شرافت سے میرے گھر آنا۔ کھیر تم بناؤ گی، کھاؤں گی میں۔"

"تمہیں ہمارے گھر آنے میں مشکل ہوتی ہے۔۔؟ سفینہ کا چہرہ ایک لمحے کو اتر گیا۔

"تم پاگل ہو۔۔۔؟ تمہارے ہاتھ کی کھیر ڈیڈی اور زیبا کو بھی بہت پسند ہے۔۔ تو بس اس لیے کہہ رہی تھی اور شاید تمہیں علم نہیں پر ڈیڈی بتا رہے تھے آج پھپھو بھی ہمارے گھر آئینگی تو تم بھی ساتھ آجانا۔"

"حکم ہے؟"

"ہاں جی۔۔ تمہاری دوست کا حکم۔"

"پھر تو ماننا ہی پڑے گا۔" سفینہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کی ہنسی کی کھنک سنتے ہی ظہرہ کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پھر ایسے مت کرنا، سفینہ۔۔۔ کم از کم تمہیں مجھ سے کچھ مانگنے میں جھجھک نہیں آنی چاہیے۔"

اس بار اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"تمہیں پتا ہے نا، اگر مجھے دنیا کے سامنے کھڑے ہو کر بھی تمہارے لیے کچھ کرنا پڑا تو میں کر لوں گی۔"

سفینہ نے اسے دیکھا۔

"تمہیں کبھی کبھی لگتا ہے تم میری دوست نہیں ماں ہو؟" سفینہ نے اچانک سوال کیا۔

"کبھی کبھی؟" ظہرہ نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"مجھے تو ہمیشہ سے لگتا ہے۔"

"اسی لیے اتنا حکم چلاتی ہو؟"

"بالکل۔" وہ مسکرائی۔

"اور تم اس لیے اتنی بد تمیز ہو کہ تمہیں یقین ہے میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"

سفینہ نے فوراً اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تو کیا تم جاؤ گی۔۔؟" ظہرہ کی مسکراہٹ نرم پڑ گئی۔

"کبھی نہیں۔"

دونوں کچھ لمحے خاموش چلتی رہیں۔ پھر سفینہ نے دھیرے سے کہا۔

"ماموں پہلے ہی اتنا کچھ کرتے ہیں ہمارے لیے، اُس کے بعد پھر کسی قسم کے مطالبے کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔۔۔بس اس بار ابّو کے ڈائیلاسس میں زیادہ۔۔۔"

وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پائی۔

جو کچھ دیر پہلے ہنس رہی تھی، اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

اتنے سال گزر جانے کے باوجود بھی وہ محتاجی کی عادت خود کو نہیں ڈال پائی تھی۔

ہر بار جب ماموں امی کے ہاتھ پر خرچ کی رقم رکھتے، اسے وہ رقم امی کو لیتے دیکھ کر کتنی شرمندگی ہوتی تھی، وہ بتا نہیں سکتی تھی۔

اور ہر بار جب رقم کم پڑنے پر اسے ظہرہ سے کچھ پیسے مانگنے پڑتے، تو مانگنے سے پہلے اپنی عزتِ نفس اور خودداری کو جس اذیت سے کچلنا پڑتا، وہ صرف وہی جانتی تھی۔

اسے روتے دیکھ ظہرہ نے فوراً اسے گلے سے لگا لیا۔

"بس۔۔۔"اس نے آہستہ سے اس کی پشت تھپتھپائی۔

"تمہیں ہر چیز کا حساب رکھنے کی عادت کب ختم ہو گی؟"

سفینہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"جب تم میرے احسان گنوانا شروع کرو گی۔"

ظہرہ نے فوراً اس کے ماتھے پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"تمہیں پتا ہے نا،، میں یا کوئی بھی اس سب کو احسان نہیں سمجھتے؟"

سفینہ خاموش رہی۔

"تم میری پھپھی کی بیٹی ہو، میری بچپن کی دوست ہو۔۔۔میری بہن جیسی ہو۔ تمہیں ضرورت ہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں، تو پھر میری اتنی سی دوستی کس کام کی؟"

سفینہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ظہرہ نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"دوستی میں احسانات نہیں ہوتے، کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا۔ آج تمہیں ضرورت ہے تو میں تمہارا ساتھ دے رہی ہوں، کل کو جب مجھے ضرورت ہوئی تو تم میرا ساتھ دینا۔۔۔مجھے تنہا مت کر دینا۔"

"میں تمہیں کبھی ڈس اون نہیں کر سکتی، کبھی تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔"

سفینہ نے فوراً اس کی بات کا جواب دیا۔

"مجھے معلوم ہے۔" ظہرہ نے مسکرا کر اس کا ہاتھ دبایا۔

"اسی لیے تو تم میری سب سے اچھی دوست ہو۔"

دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے یونیورسٹی کے گیٹ کی طرف بڑھنے لگیں۔

گیٹ کے قریب پہنچ کر ظہرہ کی نظر سفینہ کی وین پر پڑی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وین کی طرف جانے کو کہا اور خود اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

سفینہ چند قدم چل کر رک گئی۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

وہ کتنی مختلف تھی اس سے۔۔۔ جیسے دونوں کی دنیا الگ تھی، راستے الگ تھے، مگر پھر بھی نہ جانے کیوں ظہرہ کے ساتھ چلتے ہوئے اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔

سفینہ نے بھیگی آنکھوں اور روئے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور خود کو نارمل کیا۔

وین میں موجود باقی لڑکیاں اسی کے انتظار میں تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر وین ڈرائیور بھی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا اور ساتھ ہی بلند آواز میں اسے جلدی آنے کی تلقین کرنے لگا۔

چند لمحے بعد وین فضا میں کالا دھواں اڑاتی آگے بڑھ گئی۔

موڑ مڑتے ہی سفینہ کو ظہرہ کی کالی گاڑی بھی دور جاتی دکھائی دی۔

اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک آسودہ سی مسکان آگئی۔

سفینہ کے لیے ظہرہ کی دوستی وہ روشنی تھی جو اندھیرے کے بعد سب سے پہلے راستہ دکھاتی تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

وہ جوں ہی کمرے میں آئی، کمرے کی بکھری حالت دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ نفیس طبیعت کی ظہرہ کو بکھری ہوئی چیزیں ہمیشہ سے ہی ناگوار گزرتی تھیں، اور آج تو بُک ریک کا حال دیکھ کر اس نے باقاعدہ دانت پیس لیے تھے۔

زیبا اس کی تقریباً تمام کتابیں فرش پر پھیلائے، جانے کیا ڈھونڈنے میں ایسی مگن تھی کہ اسے نہ کمرے کے بکھرنے کا ہوش تھا اور نہ اپنی بکھری ہوئی حالت کا۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے زیبا، میری کتابیں مت چھیڑا کرو۔"

ظہرہ نے پیروں کے پاس پڑا کشن اٹھا کر وہیں سے صوفے پر پھینکا، جہاں پہلے ہی بے ترتیب سامان کا ڈھیر لگا تھا۔

"تمہاری کتابیں قارون کا خزانہ نہیں ہیں جو اتنی بدمزہ ہو رہی ہو۔ رکھ دیتی ہوں کچھ دیر میں۔"

زیبا نے جھنجھلاتے ہوئے کہا، مگر جملے کے آخر میں خود ہی مسکرا دی۔

آخر کار اسے وہ چیز مل ہی گئی جسے وہ کب سے ڈھونڈ رہی تھی۔ ہاتھ میں موجود کیسٹس دیکھ کر ظہرہ نے اپنی ایک آئیبرو اچکائی۔

زیبا میسنی مسکراہٹ لیے اس کی طرف بڑھی۔

"کیوں ناڈیڈی کے سونے کے بعد وی سی آر پر فلم دیکھی جائے؟"

کیسٹس ہاتھ میں لہراتے ہوئے زیبا نے للچاتے ہوئے کہا۔ پھر زبان میں چاشنی گھولتے ہوئے ظہرہ کے کندھے پر سر ٹکایا، ہونٹ باہر نکالے اور معصوم سی شکل بنا کر اسے منانے لگی۔

ظہرہ کو وہ کہیں سے بھی اپنی بڑی بہن نہیں لگتی تھی۔ نہ قد میں اور نہ ہی حرکتوں میں۔ اسے ہمیشہ سے اپنے سے ڈیڑھ سال بڑی ہونے پر بھی زیبا کی عمر پر شک رہتا تھا۔

"تم دیکھو فلم۔ جس دن ڈیڈی کو تمہاری ان کیسٹس کے بارے میں علم ہو گیا، پھر وی سی آر سمیت تمہیں اس گھر سے باہر نکالنے میں انہیں دیر نہیں لگے گی۔"

ظہرہ نے منہ چڑاتے ہوئے کہا اور بکھرا ہوا کمرہ سمیٹنے لگی۔

"چھپ کر دیکھتی ہوں۔ مسجدوں میں اعلان نہیں کرواتی کہ انہیں پتہ لگ جائے گا۔"

زیبا نے آواز آہستہ رکھتے ہوئے سر سرایا اور اسے منانے کی غرض سے بکھری ہوئی چیزیں بے دردی سے ادھر اُدھر گھساتے ہوئے اپنی طرف سے کمرہ سمیٹنے میں اس کی مدد کرنے لگی۔

اسے یوں چیزیں ٹھونس ٹھانس کر رکھتے دیکھ ظہرہ نے اس کے ہاتھ سے چادر اور الارم کلاک جھپٹ لیے۔غصے سے اسے گھورا، پھر دونوں چیزیں اپنی جگہ سلیقے سے رکھتے ہوئے اسے بہت کچھ جتایا۔

"آہاں!بس اب مسجدوں میں اعلان ہی کی کمی رہ گئی ہے۔ورنہ ملازموں تک بھی یہ خبر پہنچ چکی ہے۔"

زیبا نے فوراً کام روک دیا۔سکندر ولا کے اس حصے میں پھیلے سناٹے کو دیکھتے ہوئے اس نے پہلے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی، پھر ظہرہ کے کان کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

"ظہرہ!سچ کہہ رہی ہو کیا؟"

اس کی معصومیت پر ظہرہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں نے جھوٹ کہا ہے کیا آج تک؟میں جھوٹ نہیں کہتی۔"

اس نے کتابیں ترتیب سے ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایک ترچھی نگاہ زیبا کے خوفزدہ چہرے پر ڈالی، پھر اگلے ہی لمحے شرارت سے مسکرا دی۔

"اگر فلم مادھوری کی ہو تو ملازموں کو رشوت بھی دی جا سکتی ہے۔کیا خیال ہے؟"

زیبا نے ایک لمحے کو اسے دیکھا، پھر ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھا! مجھے پہلے ہی پتا تھا تم میرے ساتھ ہو۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔

ظہرہ نے آنکھیں گھمائیں۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں، بس مادھوری کی فلم کے معاملے میں کچھ سوچ سکتی ہوں۔"

"وہی بات ہے۔"

زیبا نے فوراً اسے سینے سے لگا لیا۔

دونوں بہنوں میں محض ڈیڑھ سال کا فرق تھا۔ یوں تو زیبا النساء بانو عرف زیبا، ظہرہ بتول سے بڑی تھی، مگر اپنی بچکانہ حرکتوں اور نان سیریس رویّے کی بنا پر ہمیشہ ہی گھر کا موسم اس کے لیے ابر آلود رہا کرتا تھا۔

اس کے برعکس ظہرہ بتول کے حوالے سے گھر کے سبھی لوگوں کی رائے مختلف تھی۔ وہ سمجھ دار، سلیقہ مند اور ذمہ دار تھی۔ گھر میں موجود ہر شخص کے لیے اس کا ایک الگ مقام تھا۔

سکندر ولا کے ملازم بھی عام ملازم نہیں تھے۔ بیشتر خاندانی ملازم تھے اور دونوں بہنوں کی پرورش بھی بڑی حد تک انہی کے سائے میں ہوئی تھی۔ گھر کا ماحول ہی ایسا تھا کہ دونوں بہنوں کو ملازموں کا بھی ادب کرنا پڑتا تھا۔

گھر میں چھ ملازم تھے۔ ان میں چار عمر رسیدہ تھے، ایک کم عمر لڑکا تھا جو کچن میں موجود بوّا کا ہاتھ بٹاتا تھا، جبکہ بوّا کی بیٹی نازیہ انہی دونوں کی ہم عمر تھی۔

اپنے والدین سے زیادہ انہیں بہت سی باتیں انہی ملازموں، خصوصاً بوّا سے چھپانی پڑتی تھیں۔ پھر بوّا کا گھر میں کچھ رعب ہی ایسا تھا۔ وہ نہ کبھی ہنستی تھیں، نہ روتی تھیں۔ معلوم نہیں کیا وجہ تھی، پر رونے اور ہنسنے جیسے دونوں ہی کام وہ نہیں کیا کرتی تھیں۔

البتہ ظہرہ ان کی اس خاموش طبیعت میں بھی ایک الگ مقام رکھتی تھی۔ وہ سب کی فیورٹ تھی، یہاں تک کہ کبھی نہ ہنسنے والی بوّا کی بھی۔

اور زیبا؟

وہ گھر میں اپنی ہر الٹی سیدھی حرکت کے لیے ظہرہ کو شریکِ جرم بنانے کا ہنر خوب جانتی تھی۔

کچھ دیر بعد نازیہ کو بھی اپنے ساتھ شامل کیے وہ دونوں مادھوری اور عامر خان کی ریلیز ہوئی فلم دل دیکھنے کے منصوبے بنا رہی تھیں اور آنے والے کل کے لیے ڈھیروں یادیں جمع کرنے کو بے قرار تھیں۔

زیبا کے ہر الٹے کام میں نہ چاہتے ہوئے بھی ظہرہ کو اس کا ساتھ دینا پڑتا تھا۔ کبھی وہ واقعی تنگ آجاتی تو اس کی شکایت لگا دیتی، جس کی بدولت دونوں کے درمیان ناراضگی کا ایک لمبا دور چلتا۔ مگر ظہرہ زیادہ دیر اس کی ناراضگی برداشت نہیں کر پاتی تھی، اس لیے جلد ہی اسے منا لیا کرتی۔

روٹھنے منانے کا یہ سلسلہ پچھلے بائیس سالوں سے چل رہا تھا۔

اور یہ کب تک چلنا تھا، وقت ہی جانتا تھا۔

✦✧✦.....✦✧✦

صحن میں رکھے پودوں کو بالٹی میں رکھے ڈونگے سے بھر بھر کر پانی دیتے سرد موسم میں وہ کپکپا گئی تھی۔ ہانپتے ہوئے وہ صحن میں بچھی چارپائی، جس پر اس کے ابّو دراز تھے، کے کونے پر ان کے پیروں کے پاس تھوڑی سی جگہ پر ٹک کر بیٹھ گئی۔

ذہن سوچوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

اس کی کھلتی گندمی رنگت دن بھر کی جانے والی مشقت کے باعث دبی دبی لگ رہی تھی۔ گھنگھرالے بالوں کو ہاف کیچر میں مقید کیے، چند لٹیں چہرے پر جھولتے اسے مزید پرکشش بنا رہی تھیں۔

اس نے گردن موڑتے نظر اپنے بیمار نحیف باپ پر ڈالی، جو اب سکون سے آنکھیں موندے سوئے ہوئے تھے۔ کل کی ساری رات ان کی بڑی مشکل سے تکلیف میں کٹی تھی۔ آج ہی وہ ہسپتال سے واپس آئے تھے۔ ان کے ڈائلاسس کی وجہ سے ہر ہفتے ہسپتال کا چکر لگتا تھا، اور ان دنوں اس پر کام کا بوجھ مزید بڑھ جاتا تھا۔

باپ کو محبت سے دیکھنے کے بعد اس نے آہستہ آہستہ ان کے پیر دبانا شروع کر دیے۔

وہ اپنے ماں باپ کی خدمت گزار، فرمانبردار اور محنتی بیٹی تھی۔ وہ سوچتی تھی حالات اور مجبوریوں نے اسے کملا کر رکھ دیا تھا۔ ورنہ آج شاید وہ بھی ویسی ہی زندگی جیتی جیسے ظہرہ اور زیبا جیتی تھیں۔

خوشگوار فکروں سے دور۔۔۔ لوگوں کے احسانوں کے بوجھ سے آزاد۔۔۔ ایک پرسکون زندگی۔

✦✧✦.....✦✧✦

وہ ایک سرد دوپہر تھی یقیناً ظہرہ کو سردی لگی تھی۔ وہ اب تک بے یقین اور حیران تھی۔ یہ وہ واحد چیز تھی جس کے بارے میں اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ سالوں سے ادبی نشستوں میں حصّہ لیتی آرہی تھی۔ ہر ادارے میں اُس نے اپنی فتح کے جھنڈے گاڑھے تھے۔ لیکن زندگی میں پہلی بار وہ ہار گئی تھی۔ اور اسے ہرانے والا ایک ایسا شخص تھا جسے اس نے ایک عرصے بعد دیکھا تھا۔

جب تمام مد مقابلین کی فہرست شائع کی گئی، اس میں یہ نام ظہرہ دیکھتے ہی چونک گئی تھی۔ پھر اگلے ہی دن اس کی پہلی ملاقات قیصر حبیب سے ہوئی تھی۔ لیکن ظہرہ نے یہ نہیں سوچا تھا کہ عام سے حلیے میں دکھنے والا وہ لڑکا اسے شکست دے دیگا۔

سُن ہوتے ذہن کے ساتھ وہ آڈیٹوریم سے نکلتے پارکنگ سے ذرا دور ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔ سفینہ پارکنگ میں ڈرائیور کو ڈھونڈنے گئی تھی۔ جب اسے گئے کافی دیر ہو گئی تو ہر سوچ کو ذہن سے جھٹکتے وہ بھی اسی طرف چلی آئی اور وہی ایک بار پھر وہ اسے دکھا۔ شاید وہ بھی گھر جا رہا تھا۔ اور اپنی بائیک پارکنگ سے لینے وہاں آیا تھا۔

تقریب کے اختتام پر وہ اتنی دلبرداشتہ تھی کہ اسے مبارکباد بھی دینے نہیں گئی تھی اور یہی سوچتے وہ اس کی طرف بڑھی تھی۔

"بہت مبارک ہو آپ کو۔"

دھیمی سُر دیتی آواز اپنے عقب سے سنتا وہ پلٹا تھا۔اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گیا تھا۔ ایک گہری نظر ظہرہ پر ڈال کر اس نے نگاہیں جھکا دی تھی۔شاید اس وقت وہ اُس کی طرف سے اس قسم کی اعلیٰ ظرفی کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"شکریہ۔۔!"

جواباً اس نے ہلکے سے لب ہلاتے کہا۔

ظہرہ نے اُس کے چہرے کی بدلتی رنگت کو بغور دیکھا۔پارکنگ میں ادبی نشست کی وجہ سے معمول سے زیادہ چہل پہل تھی۔اُس نے ظہرہ کے ساتھ کسی کو نا پا کر آس پاس ایک خاموش نگاہ دوڑائی تھی۔پر وہ نامراد لوٹا تھا۔ظہرہ اکیلی ہی اس تک آئی تھی۔

وہ سر جھکا گیا اور چابی کا گچھا جیب سے نکالنے لگا۔یقیناً اس کی بائیک ساتھ ہی کھڑی تھی۔یا تو وہ واقعی جلدی میں تھا یا بس دکھاوا کر رہا تھا۔ظہرہ سمجھ نہیں سکی پر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"ہر ٹاپر کی طرح آپ نے بھی مقابل سے جھوٹ کہا کہ آپ میں جیتنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ حالانکہ مجھے بہت لوگوں نے پہلے ہی خبر دار کیا تھا آپ سے متعلق۔"

اس کی طرف دیکھتے ظہرہ نے پچھلی ملاقات کا حوالہ دیا۔

"یہ میری زندگی کا پہلا مقابلہ ہے، جو میں جیتا ہوں۔"

سنجیدہ بھاری آواز میں آخر اس نے کہہ دیا۔

ظہرہ کو اُس کے چہرے پر ناجیت کا خمار نظر آیا اور نا ہی خوشی کی کوئی رمق۔ اس کا چہرہ اتنا سپاٹ کیوں ہوتا تھا۔ وہ کیوں کبھی نارمل لڑکوں کی طرح رد عمل نہیں دیتا تھا۔

وہ اب ٹین ایجر لڑکا نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر پختگی تھی۔ ہلکی داڑھی اور دبی دبی گندمی رنگت جو کبھی کبھی سانولی سی لگتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اپنی ہائیٹ اور نین نقش کی بدولت وہ پرکشش دکھتا تھا۔

ظہرہ نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا پھر بولی۔

"اور یہ میری زندگی کا پہلا مقابلہ ہے، جو میں ہار گئی ہوں۔"

اُس نے ہمیشہ کی طرح خوش مزاجی سے اپنے ازلی لہجے میں کہا۔ دل کا بھید اور ہارنے کی تکلیف دونوں خود تک ہی محدود رکھ کر وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"لیکن آپ کی جیت کا سُن کر خوشی ہوئی۔ آپ کی داستان اور مضمون دونوں ہی لائق تحسین تھے جو آپ کی تخلیقی عکاسی باخوبی کر رہے تھے۔"

وہ چاہتے ہوئے بھی اسے ماضی کا کوئی حوالہ نہیں دے پائی۔ وہ یقیناً ظہرہ کو نہیں پہچانا تھا۔

"میری داستان اگر بہترین تھی بھی تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ مبارکباد کے لیے شکریہ۔"

اس نے سر جھٹکتے کہا۔ اور یہ پہلی بار تھا کہ وہ مسکرایا تھا۔

"آپ کی لکھی داستان میں اگر آپ کا کمال نہیں تھا تو پھر کس کا تھا۔۔۔؟"

اُس نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"ایک بہت قیمتی ہستی کا، یا وہ واحد ہستی کا جس نے مجھے صحیح اور غلط کے حقیقی معنی سمجھائے ہیں۔"

اب کی بار اسے باقاعدہ دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

ظہرہ نے اچھنبے سے اسے دیکھا تھا۔وہ سمجھ نہیں پائی تھی اُس کی بات۔اس سے پہلے وہ مزید کچھ پوچھتی سفینہ نے اُسے کچھ فاصلے سے آواز دی۔اور اس نے بے ساختہ نگاہیں اس پر جما دیں۔

سفینہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔دونوں فریقین کی نگاہیں ایک دوسرے سے ٹکرائی تھیں۔پھر سفینہ نے سر جھٹکتے اس سے نگاہیں ہٹائیں اور ظہرہ کو مخاطب کیا جو ابھی تک جوں کے توں کھڑی تھی۔

"ظہرہ۔۔۔!چلو گاڑی آگئی ہے تمہاری۔۔۔۔"

سفینہ کی آواز میں اب کی بار تنبیہہ تھی۔ظہرہ نے دھیمے سے سر ہلاتے اُسے الوداع کیا اور جلدی سے سفینہ کی طرف بھاگی۔

"یہ وہی لڑکا تھا نا۔۔؟"

اس کے قریب آتے سفینہ نے اس کے کان میں جھکتے سرگوشی کی۔

"ہاں۔۔۔یہ وہی ہے۔۔!"

اس کے کان میں ہی جواب دیتے ظہرہ نے آنکھیں چھوٹی کیے ایک نظر سفینہ کو دیکھا جو حیرت سے ایک بار پھر پیچھے مُڑی تھی۔

اس کے مُڑنے پر دونوں کی نظریں پھر ملی تھیں۔سفینہ نے نخوت سے منہ موڑ لیا، جبکہ وہ نظریں جھکا گیا۔

وہ دونوں مزید باتیں کرتی آگے جا رہی تھی۔ان کے ہلتے لب اب وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

تو برسوں بعد انہوں نے ایسے ملنا تھا۔

یوں ہی راہ چلتے مسافروں کی طرح۔

ایک دوسرے سے انجان، لاپرواہ، خود میں مگن۔

اُسے یقین تھا کہ وہ اس کی زندگی میں کبھی اتنی اہمیت کا حامل نہیں تھا کہ وہ اسے پہچان جاتی۔۔۔اور پہچان جاتی تو مل بھی جاتی۔۔۔دل میں ایک ہوک سی اُٹھی تھی اور وہ پلٹ گیا تھا۔

راستے جدا تھے اور منزل بھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

کمرے میں صبح کے گیارہ بجے بھی گھپ اندھیرا تھا۔وہ پیٹ کے بل لیٹا ہلکے ہلکے چلتے فین کی آواز سے بدمزہ ہوتا اٹھ بیٹھا۔شاید عرصے سے کمرہ بند تھا جس وجہ سے پنکھے کا فالٹ کسی نے چیک نہیں کیا۔۔موسم سرد تھا سو وہ پنکھا بند کرنے اُٹھا لیکن ارادہ بدلتے ہوئے فریش ہونے چل دیا۔جیٹ لیگ کی وجہ سے یوں بھی اسے رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔وہ فجر کی آذان کے بعد اپنے کمرے میں آیا تھا۔پر سوائے چند گھنٹوں کی نیند کے وہ سو نہیں سکا تھا۔۔کچھ جگہ کی بدولت کچھ اُس کا اپنا دل ہی پاکستان کی سڑکیں اور ماحول کو سوچتے عجیب ہو رہا تھا۔فریش ہوتے ہی وہ نیچے چل دیا تھا۔

"ارے متین۔۔۔کچھ دیر اور آرام کر لیتے بیٹے۔۔"زرینہ بیگم نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما تھا۔"میں ناشتہ لگواتی ہوں تم بیٹھو۔۔"اسے ڈائیننگ ٹیبل پر بیٹھنے کا کہتے وہ خانساماں کو ہدایت دینے جانے لگیں۔

"کچھ لائیٹ سا کافی کے ساتھ لے آئیں یہیں آپ کے اور پاپا کے ساتھ کھاؤں گا۔۔اور مزین کہاں ہے؟"مسکرا کر کہتے اس نے ساتھ ہی اپنے سے دو سال چھوٹے بھائی مزین کے بارے

میں پوچھا۔جو اُس کے آنے پر سب سے زیادہ چہچہا رہا تھا۔۔اور وہ متین کی نسبت تھا بھی ہنس مکھ اور شوخ مزاج۔

"مزین تو آفس میں ہے۔۔ آج تمہاری خوشی میں تمہارے پاپا نے تو چھٹی کر لی پر وہ کہہ رہا تھا اُس کی کچھ ضروری میٹنگ ہے، کوشش کریگا جلدی آجائے۔"زرینہ بیگم اسے جواب دیتے کچن کی طرف بڑھ گئی جبکہ وہ باہر گارڈن میں شہنواز صاحب کی طرف بڑھا جہاں بیٹھے وہ اُس کے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے۔

شہنواز صاحب کے دو ہی بیٹے تھے بڑا متین اور چھوٹا مزین۔ متین تقریباً سات آٹھ سال بعد وطن لوٹا تھا۔۔اولیولز کے بعد ہی وہ پڑھائی کے لیے لندن مقیم ہو گیا تھا۔لندن سے بزنس پڑھنے کے بعد بھی وہ دو سال وہیں جاب کرتا رہا۔۔شہنواز صاحب یا ان کے بھائی بختیار احمد صاحب کبھی کسی کام کے سلسلے میں لندن جاتے تو اُس سے وہیں مل لیتے۔ خطوط اور ٹیلی فونز کا سلسلہ بھی قائم تھا۔لیکن ایک لمبا عرصہ پردیس میں گزارنے کے بعد ان کا لخت جگر لوٹ آیا تھا۔وہ صبح ہی سب سے پہلے اپنے بھائی بہن کو متین کے واپسی کی خبر سنا چکے تھے۔اور اب سارا دن بیتنے کے بعد یہ خبر حلقہ احباب میں پھیل چکی تھی۔وہ اپنے باپ کے سہارے کے

بغیر کچھ کر دکھانا چاہتا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو رہا تھا۔۔ پر ماں کے آنسوں اور باپ کی خاموش التجائیں اسے پاکستان کھینچ لائی تھیں۔۔ وہ کل رات بغیر کسی کو مطلع کیے پاکستان پہنچا تھا۔۔ اسے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھتے جیسے سب پاگل ہو گئے تھے۔۔ اس کی ممّی بار بار اسے گلے لگائے چوم رہی تھی۔۔ ڈیڈی خوشی سے نہال ہوتے پورے خاندان کو اس کی آمد کے بارے میں مطلع کر رہے تھے۔

متین سکندر ان کا وہ بیٹا تھا جس نے اپنی کامیابی کے جھنڈے بغیر ان کی پشت پناہی کے گاڑھے تھے۔ اُس کی شخصیت میں موجود وقار کسی ساحر کی مانند جکڑتا تھا۔ کالی، گہری، سنجیدہ آنکھیں ، چھ فٹ لمبا قد اور جم کی بدولت اس کا کسرتی جسم اسے مزید وجیہہ بناتا تھا جیسے کسی مجسمے کا عکس۔ خوبصورتی اسے ورثے میں ملی تھی اور شاہانہ پن اس کی ذات کا خاصہ تھا۔ وہ مسٹر پرفیکشنسٹ تھا۔ معمولی سی عارضی کمّی بھی اس کی طبیعت پر گراں گزرتی تھی۔ وہ کسی بھی لڑکی کا **"پرنس چارمنگ"** بن سکتا تھا۔

✦✧✦.....✦✧✦

گھر میں داخل ہوتے اس نے لاؤنج میں موجود اپنے ڈیڈی کو سلام کیا۔جو ٹیلیفون پر نا جانے کس سے اتنی لمبی چوڑی گفتگو کر رہے تھے۔

بیگ کندھے سے اتارتے اس نے اپنی جگہ پر رکھا ہی تھا، کہ زیبا کینوں سے بھری ہوئی پلیٹ لیے کمرے میں داخل ہوئی۔

"شہنواز چچا کہ گھر بروز ہفتہ ایک گرینڈ پارٹی ہے۔" کینوں کی قاش کالے نمک میں ڈوباتے زیبا نے اسے مطلع کیا۔

"خیریت تو ہے، اچانک پارٹی وہ بھی چچا کے گھر۔" ظہرہ نے بیڈ پر ڈھے جانے والے انداز میں بیٹھتے کہا۔

"متین بھائی آئے ہیں کل۔۔۔ ظاہر ہے سب نے ویسے بھی ملنے جانا ہی تھا۔اور چچی کا تو تمہیں پتہ ہی ہے، الگ الگ مہمان آئے تو سب کی الگ سے خاطر داری کرنی پڑیگی۔اس لیے سب کو ایک ساتھ ہی انوائیٹ کر لیا ہے، تاکہ سب ایک ساتھ آئیں اور وہ روز روز کی خاطر داری سے

بچ جائیں۔۔۔ پھر بیٹے کی دو سال پرانی ڈگری کو سیلیبریٹ بھی تو کرنا ہے ۔"اس کی بات پر ظہرہ کی جلترنگ ہنسی گونجی تھی۔

"تم کتنا فضول سوچتی ہو زیبا۔۔! کم سے کم تمہیں اس گھر کے متعلق ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیئے۔ان کا بیٹا سالوں بعد آیا ہے، اسی خوشی میں بس چھوٹی سی گیدرٹوگیدرر کھی ہو گی انہوں نے۔۔۔ اتنا تو بنتا ہے اب ان کا۔" نفی میں سر ہلاتے ظہرہ نے زیبا کی پلیٹ سے ہی کینوں کی ایک قاش اٹھائی تھی۔

"اچھا چھوڑو۔۔ یہ بتاؤ مقابلے کا کیا بنا۔۔ جیت گئی نا تم۔۔ یوں ہی پریشان ہو رہی تھی۔۔"زیبا اپنی ہی دُھن میں بولے جا رہی تھی جبکہ ظہرہ لب بھینچے سر جھکائے بیٹھی رہی، پھر دھیمی آواز میں بولی۔

"میں ہار گئی ہوں زیبا۔۔۔"ڈوپٹہ ایک سائڈ پر رکھتے اس نے لب بھینچے تھے۔

زیبا نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا جس کی آنکھوں میں موتی چمک رہے تھے۔ پھر آگے بڑھ کر اسے دلاسہ دیتے کہا۔ "چلو۔۔۔ کوئی بات نہیں انسان کو ہارنا بھی آنا چاہیئے۔۔۔ زندگی میں ہر مقابلہ تو نہیں جیت سکتے نا ہم۔۔!"

"پر میں زندگی کا ہر مقابلہ جیتنا چاہتی ہوں۔۔ تمہیں معلوم ہے مجھے لگتا تھا مجھے ہار جیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ مجھے غلط لگتا تھا زیبا۔۔۔ ہار جیت سے فرق صرف تب تک نہیں پڑتا تھا، جب تک ہار کو محسوس نہیں کیا تھا۔۔ تمہیں نہیں اندازہ آج میں نے کس دل سے جیت جانے والے امیدوار کو مبارکباد دی ہے۔۔۔" سوسو کرتی وہ زیبا کو بڑی پیاری لگی۔

"اوہ!مائے ڈیئر ون۔۔ یور آر **"ڈریم گرل"** آف آوّر انٹائر فیملی۔ ایک مقابلے کے ہار جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔ یہ ہار گئی ہو تو اگلا جیت بھی جاؤ گی۔۔۔ تم ظہرہ بتول ہو اور تم جانتی ہو تم عام نہیں ہو۔" اسے گلے سے لگاتے زیبا نے کہا۔ ہاں میں سر ہلاتے ظہرہ نے اپنے آنسو صاف کیے۔ جبکہ دل میں ظہرہ نے عہد کیا تھا آج کے بعد وہ کبھی نہیں ہارے گی۔۔۔ شکست کا یہ احساس اسے اپنی قابلیت کی توہین لگا۔ وہ پرفیکٹ تھی۔۔ ہر جگہ اوّل آنے والی ظہرہ زندگی میں پہلی بار دوئم آئی تھی۔ اور یہ بات اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

اُن دنوں وہ یونیورسٹی کے مشاغل میں اتنا مصروف تھی کہ سب کے ساتھ بڑے ابّا کے گھر متین سے ملنے بھی نہیں جا سکی تھی۔ اُس کی متین کے معاملے میں یہ غیر دلچسپی سائرہ بیگم کو پسند نہیں آ رہی تھی۔

آج سے دو سال پہلے جب شہنواز سکندر اور زرینہ بیگم متین کی گریجویشن کے بعد بڑی چاہت کے ساتھ اُن کے گھر مزین کی خواہش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زیبا کا رشتہ لائے تھے تو ساتھ ظہرہ کا اشارہ بھی متین کے لیے دے کر گئے تھے۔

متین ان کا بڑا بیٹا تھا۔ وہ چاہتے تو پہلے اُسی کا رشتہ کرتے، لیکن متین اُس وقت منگنی پر راضی نہیں تھا۔ وہ پاکستان آ کر خود لڑکی پسند کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ زیبا کے آتے رشتے دیکھ کر وہ متین سے پہلے مزین کا رشتہ زیبا کے لیے لے آئے تھے۔

باوجود اس کے بختیار احمد صاحب نے جلد بازی سے کام لینے کے بجائے اُن سے وقت مانگا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اُن کی دونوں بیٹیاں پڑھ لکھ جائیں، پھر ہی وہ ان کا رشتہ کہیں طے کریں۔

اب زیبابی۔ایڈ مکمل کرنے کے بعد مختلف کالج میں لیکچرار کے لیے درخواستیں دے رہی تھی، جبکہ ظہرہ کا یونیورسٹی میں یہ آخری سال تھا۔وہ اردو ادب میں ماسٹرز کر رہی تھی اور ساتھ ہی ایک تخلیقی تحریر کے شعبے کے ساتھ منسلک تھی۔ساتھ ہی وہ مختلف اخبارات میں بطور کالم نگار بھی کام کرتی رہتی تھی۔

اور اس معاملے میں بختیار احمد صاحب کا حلقہ احباب بھی کافی وسیع تھا۔اُن کے اپنے گھر بھی ادبی محفلیں اکثر منعقد کی جاتی تھیں۔یوں ظہرہ کے پاس وسائل کی کمی کبھی نہیں رہی تھی۔وہ اتنے سالوں میں اس شعبے میں اب اتنا نام کما چکی تھی کہ جہاں جاتی، اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔

اور ظہرہ جوں ہی ڈائننگ ہال کے پاس سے گزری، وہاں بوا کے پاس بیٹھی سائرہ بیگم نے بوا کو مخاطب کرتے کہا،

"کل سے سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں پر اُس کے کان پر جُوں تک نہیں رینگی۔۔۔کتنا بُرا لگے گا شہنواز بھائی اور زرینہ بھابھی کو اگر ظہرہ پارٹی میں شرکت نہیں کرے گی، اب آپ ہی سمجھائیں اپنی لاڈلی کو۔۔۔آپ کی باتیں جلدی سمجھتی ہے۔۔"

دھیمی آواز میں انہوں نے جیسے بوا سے شکایت لگائی تھی۔

ہوا یہ تھا کہ متین نے اپنا برانڈ لانچ کیا تھا، جس کی خوشی میں گرینڈ پارٹی رکھی گئی تھی۔ اور زرینہ بیگم نے فون پر ہی ظہرہ کی خصوصی آمد کا بارہا اصرار کیا تھا۔

سفید چادر اور ہلکے رنگ کے کھلے ہوئے سوٹ میں بوا کے چہرے پر ٹھہراؤ تھا۔ اُن کے مہندی لگے لال بال سفید دوپٹے سے جھانک رہے تھے۔ وہ مٹر چھیلتے چھیلتے شاید کوئی تسبیح بھی پڑھ رہی تھیں۔

"آپ کی یہ بیٹی صرف رنگ روپ میں ہی آپ پر گئی ہے بٹیا۔۔ آپ جانتی ہی نا ظہرہ چاہے جتنی بھی فرمانبردار سہی لیکن اپنے کام کے معاملے میں کوئی سمجھوتا نہیں کرتی۔"

"آپ کہیں گی تو مان جائے گی۔ کل اس کی شرکت بہت ضروری ہے، میں یوں تو زور زبردستی کر سکتی ہوں پر میں چاہتی ہوں وہ اپنی رضامندی سے شامل ہو۔ وہاں پورا خاندان دوست احباب سب موجود ہوں گے۔ ایسے میں ظہرہ کا نا جانا کچھ مناسب نہیں لگے گا۔ کہیں بھائی بھابھی یہ نا سمجھیں کہ ہمیں متین اور ظہرہ کے رشتے پر اعتراض ہے اس لیے اُسے ساتھ نہیں لائے۔ آپ تو ان سب پیچیدگیوں سے واقف ہیں۔"

سائرہ کے لہجے کی نرمی اور حلاوت بوا کو ہمیشہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اس گھر میں ملازم ہونے کے باوجود جو عزت اور مقام انہیں حاصل تھا، شاید وہ کسی اپنے کو بھی نہیں ہو۔

آخر شام میں اس کے بالوں میں زبردستی تیل لگانے کے لیے بوا نے اسے اپنے پاس جکڑ کر بٹھا لیا تھا۔

"ہم نے سنا آپ کل پارٹی میں نہیں جانا چاہتی۔۔"

ہلکے ہلکے اُس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے بوا نے استفسار کیا۔

اُن کے پیچھے دیوار پر کسی یورپی شہر کی منظر کشی کرتی بڑی سی آئل پینٹنگ کی فریم نصب تھی، جس کی شیشے کی دھار پر پڑتی ہلکی روشنی اُن دونوں کا عکس نمایاں کر رہی تھی۔

ظہرہ جھکے سر کے ساتھ پاس پڑی شیشے کی بوتل پر نظر جمائے جھنجھلا کر رہ گئی۔

"یہ آپ سے یقیناً زیبا نے کہا ہو گا۔۔"

اچانک ہی اُس کا منہ لٹک گیا تھا۔ اپنے خلاف ہونے والی اس سازش سے وہ باخبر تھی۔

اُس کی بات پر بوا نے ساتھ بیٹھی سائرہ بیگم کو دیکھا جو پہلو بدل کر رہ گئی۔

"آپ یہ بتائیں بٹیا کہ آپ جانا کیوں نہیں چاہتی۔۔؟"

"بوا میرا کل ایک بہت اہم ایونٹ ہے، وہاں میری شرکت بے حد ضروری ہے۔"

وہ ایک پل کو رکی، گہری سانس لی، اور پھر مضبوطی سے بولی۔

"فائینلز کے بعد اسی پبلشنگ ہاؤس کے ساتھ کمٹمنٹ ہے میری، اس لیے میں ایونٹ میں شرکت کر کے اپنے پیر وہاں پہلے ہی مضبوط کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے ہر چیز پلان کر رکھی ہے اپنا پورا مستقبل سوچ رکھا ہے۔ لیکن اُس کے لیے فائنل میں اچھی کارکردگی شرط ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ میں پارٹی میں نہیں جانا چاہتی، لیکن وہ ایک بہت بڑا ایونٹ ہے، وہاں ملک کے نامور لوگ شرکت کریں گے۔ یہ ایونٹ میرے مستقبل کے لیے مجھے بہت سے مواقع فراہم کر سکتا ہے۔ اب آپ بتائیں میں اپنے مستقبل کا سوچوں یا کسی پارٹی کا۔۔؟"

اپنی بات مکمل کرتے اُس نے گردن بائیں جانب موڑتے بوا کو دیکھا۔

بالوں میں لگے تیل کے باوجود وہ انہیں پرکشش لگی تھی۔ اپنی کتھئی آنکھوں میں شکایت لیے خفگی سے دیکھتی انہیں وہ اپنا آپ ہی تو لگی تھی۔

"بات یہ ہے کہ یہ پارٹی صرف آپ کے تایازاد کی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی بہن کے ہونے والے سسرال کی ایک بہت اہم تقریب ہے۔ اور آپ بھی جانتی ہیں کہ مستقبل میں وہ آپ کا سسرال بھی ہو سکتا ہے۔"

اُن کی اس بات سے ظہرہ کی دھڑکن معمول سے تیزی سے دھڑکنے لگی۔ متین سکندر کا سراپا آنکھوں کے سامنے آیا تو وہ فوراً سر جھٹک گئی۔

"آپ کو جس مستقبل کی فکر ہے کیا پتہ اس مستقبل میں آپ ہو ہی نا۔ انسان ہر راز سے بے خبر ہے بٹیا، بے خبری نے بڑے بڑوں کو موت دی ہے۔ پھر ہم جیسی کتنی آئیں اور ماری گئی۔ اس لیے مستقبل کے حساب کتاب مت رکھا کریں۔"

"کیسی باتیں کرتیں ہیں بوا، اب بھلا ذرا سی باتوں سے بھی انسان مرنے لگیں گے۔"

وہ رُخ موڑتے پھر سیدھی ہو بیٹھی۔ بوا کی انگلیاں ایک بار پھر اُس کے بالوں میں چلنے لگیں۔

"انسان نہیں مرتے بٹیا خواب مر جاتے ہیں۔ موت زندگی کے ختم ہو جانے کو کہتے ہیں اور جو انسان اپنے خوابوں کے لیے جیتے ہیں، ان کے خواب جب دنیا نوچتی ہے تو وہ مر جاتے ہیں۔"

وہ دم سادھے انہیں سنے گئی۔

"میرے خواب سادہ ہیں بوا، اور ان کی تعبیر دلکش۔۔"

آنکھوں میں چمک لیے ظہرہ نے انہیں مطمئین کرنا چاہا۔

"بعض خوابوں کی تعبیر ویسی نہیں ہوتی جیسی دنیا اسے بتاتی ہے، خواب ٹوٹنے کے بعد آپ کیا کریں گی یہ بھی سوچا کریں۔ بعض دفعہ زندگی حساب کتاب رکھنے والوں سے بے حد مشکل امتحان لے لیتی ہے۔"

"آپ یہ ہولا دینے والی باتیں مجھ سے ہی کیوں کہتی ہیں بوا، کبھی زیبا سے بھی کیا کریں۔"

اُسے بوا کی ایسی باتوں سے ہمیشہ چڑ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ اُس سے ایسی ہی دل کو لرزہ دینے والی گفتگو کیا کرتی تھیں۔

"کیونکہ میں آپ میں خود کو دیکھتی ہوں ظہرہ، اور میں نہیں چاہتی میرے خواب چھینے جانے پر جو میں نے کیا وہ آپ کریں۔ زندگی کا مقصد کسی ایک چیز کو مت بنائیں۔ دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلیں۔ آپ کی پڑھائی اتنی مشکل نہیں کہ اس کے لیے اپنوں کی ناراضگی مول لی جائے۔"

ایک آخری نظر اُس پر ڈالتے وہ تیل کی شیشی لیے اسے گہری سوچ میں چھوڑتے چلی گئی تھیں۔

بوا جانتی تھی ظہرہ کو دل رکھنا آتے ہیں۔ اور وہ اس بار بھی دل رکھ لے گی۔

اور ظہرہ نے دل رکھ لیا تھا۔

✦✧✦.....✦✧✦

متین سکندر کو اندازہ نہیں تھا کہ پاکستان میں اپنا نام بنانے کے لیے اسے ایک بار پھر صفر سے آغاز کرنا پڑے گا۔۔۔

ایک نیا کلاتھنگ برانڈ لانا کوئی بہت بڑی بات نہیں تھی، مگر SWAN کو جس بڑے پیمانے پر وہ پاکستان میں لانچ کر رہا تھا، اُس نے بڑے بڑے برانڈز کو اُس کے مدِ مقابل لا کھڑا کیا تھا۔

فیکٹری کے لیے جس جگہ کو متین سکندر خریدنا چاہتا تھا، اب اُسی جگہ پر ڈار گروپ آف انڈسٹریز کی بھی نظر تھی۔ وجہ صرف متین کے کام میں ٹانگ اڑانا تھی، اور وہ یہ بات وقت رہتے سمجھ گیا تھا۔

پاکستان میں اشرافیہ کا کھلا راج تھا۔۔۔
یہاں جس کے پاس طاقت تھی، وہی بازی گر تھا۔

متین اور شہنواز صاحب اپنے تمام کانٹیکٹس کا استعمال کر رہے تھے، مگر ڈار گروپ آف انڈسٹریز نے جیسے اُن کے مسائل میں اضافہ کرنے کی قسم کھالی تھی۔

وہ تھک رہا تھا۔

اور ہر بار تھک جانے پر اُس کے ذہن میں ایک ہی خیال آتا۔۔۔
پاکستان آنے کا فیصلہ سراسر جذباتی اور بیوقوفانہ تھا۔

وہ فائل پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ چہرہ اشتعال سے تپ رہا تھا۔ ڈار گروپ آف انڈسٹریز کے مالک سے اب وہ روبرو ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اس دشمنی کی وجہ، کم از کم متین شہنواز سکندر سمجھنے سے قاصر تھا۔

اُس نے ایک بار پھر فائل کے صفحات پلٹے، جیسے اُن میں موجود اعداد و شمار اُسے اُس شخص تک پہنچنے کا کوئی راستہ دے سکتے ہوں۔

اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"سر! آپ سے ملنے بختیار سر آئے ہیں۔۔"

پیون کی آواز پر اُس نے فوراً سر اُٹھایا۔

دروازے سے بختیار احمد نمودار ہوئے تھے۔

متین فوراً اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسلامُ علیکم چاچو۔۔ آئیں پلیز بیٹھیں۔۔"

"وعلیکم السلام! تشریف رکھو برخودار، میں مہمان نہیں ہوں۔"

اُن کی بات پر متین کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور وہ دوبارہ اپنی نشست پر براجمان ہو گیا۔

بختیار احمد اُس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے چند لمحے خاموش رہے۔ اُن کی نگاہ ایک بار پورے آفس پر گھومی۔

یہ وہی متین تھا جسے انہوں نے بچپن سے اپنی آنکھوں کے سامنے بڑا ہوتے دیکھا تھا، مگر آج اُس کے سامنے پھیلی فائلیں، فون کالز، کاروباری نقشے اور مصروفیت اُسے اُس بچے سے بہت مختلف دکھا رہے تھے۔

"ہاں جی۔۔۔ بھائی صاحب بتا رہے تھے، ڈار گروپ نے بڑا تنگ کیا ہوا ہے آج کل۔"

انہوں نے ہاتھوں کو باہم جوڑتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔

متین کے چہرے پر پھر وہی ناگواری لوٹ آئی۔

"ایسا ہی ہے۔۔۔ لیکن اب بس بہت ہوا۔ اگر وہ ہمارے کام میں ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھ رہے ہیں تو میں بھی Tit for Tat پر یقین رکھتا ہوں۔"

اُس نے فائل بند کرتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"وہ مجھے ناتجربہ کار اور بچہ سمجھ کر کافی غلطیاں کر چکے ہیں۔۔ دیئر بیڈ۔۔"

بھنویں اچکاتے اُس نے انٹر کام اٹھایا۔

"دو کپ چائے بھیج دینا۔"

انٹر کام رکھتے ہی اُس نے بختیار احمد کی طرف دیکھا۔

"سر! آپ بتائیں، آج یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"تم سے ملنے آیا تھا۔ اور سوچا، ساتھ یہ بھی دیکھتا جاؤں کہ ہمارا نیا بزنس مین پاکستان میں پہلی جنگ کیسے لڑ رہا ہے۔"

بختیار احمد کے لہجے میں ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں فکر صاف دکھائی دے رہی تھی۔

متین بھی ہلکا سا مسکرایا۔

"جنگ تو ہے چاچو۔۔ لیکن جیتنی بھی ہے۔"

"تم قابل ہو متین۔۔ تم یہ سب کر لو گے۔"

بختیار احمد نے یقین سے کہا۔

"اس ملک کو تم جیسے نوجوانوں کی اشد ضرورت ہے۔۔"

متین نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"میں ان سب چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا چاچو۔۔ میرا گول اس ملک کی ضرورت بننا نہیں ہے۔۔"

وہ چند لمحے رکا، پھر قدرے جھک کر میز پر پڑی فائل پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

"میں اپنا نام بنانا چاہتا ہوں۔۔ اپنی کمپنی کی ایک پہچان بنانا چاہتا ہوں۔۔ پر یہاں کوئی کسی کو اپنے سے آگے بڑھنے ہی نہیں دینا چاہتا۔"

اُس کی آواز میں اب غصے سے زیادہ عزم تھا۔

"لیکن اب اگر مجھے یہاں رہنا ہے تو تالاب کے مگر مچھوں کو قابو کرنا ہی ہے۔"

بختیار احمد اُس کے چہرے کو دیکھتے رہے۔

وہ متین کے جوش کو سمجھتے تھے، مگر اُس کے پیچھے چھپی بے احتیاطی سے بھی واقف تھے۔

"جانتے ہو نا، تالاب میں رہتے مگر مچھوں سے بیر نہیں پالنا چاہیے۔۔"

وہ سر جھٹکتے دھیما سا مسکرائے۔

متین نے اُن کی آنکھوں میں چھپی فکر کو محسوس کیا۔

"جانتا ہوں۔۔ آپ فکر مند نا ہوں۔"

اُس نے اطمینان سے کہا۔

"اب سب کچھ میں خود اپنے طریقے سے ہینڈل کروں گا۔۔برانڈ اپنے وقت پر ہی لانچ ہو گا۔۔ایک دن نا اوپر، نا نیچے۔"

اسی لمحے پیون چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لے آیا اور دونوں کے سامنے رکھ کر خاموشی سے واپس چلا گیا۔

بختیار احمد نے چائے کا کپ اٹھایا، مگر اُن کے ذہن میں موجود وسوسے کم نہیں ہوئے تھے۔

وہ متین کو ڈرانا نہیں چاہتے تھے۔

وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ متین سکندر، جس نے بیرونِ ملک اپنے باپ کے کاروبار کو جس اعتماد سے سنبھالا تھا، پاکستان کے اس پیچیدہ کاروباری ماحول کو کیسے ہینڈل کرتا ہے۔

اُس کے آفس سے فیکٹری تک، ہر جگہ کام کو مکمل ہوتے دیکھ کر وہ اسے سراہنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

شہنواز سکندر کے کام کو اُس نے جس طرح اپنے ہاتھوں میں لیا تھا، وہ قابلِ ستائش تھا۔

بختیار احمد نے ایک بار پھر متین کو دیکھا۔

وہ نوجوان جو اپنی منزل کے بارے میں اتنا پُر اعتماد تھا، شاید ابھی اسے اندازہ نہیں تھا کہ اُس منزل تک پہنچنے کے راستے میں صرف کاروباری حریف ہی نہیں، بلکہ کچھ ایسے لوگ بھی کھڑے تھے جن کی دشمنی کی وجہ ابھی اُس کی سمجھ سے باہر تھی۔

اور بختیار احمد کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ ڈار گروپ آف انڈسٹریز کے ساتھ شروع ہونے والی یہ کشمکش آگے چل کر صرف کاروبار تک محدود نہیں رہنے والی تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

آئینے میں خود کو دیکھتے اس کی آنکھیں بجھی بجھی تھیں۔ سفینہ واصف کو زندگی سے بہت شکایتیں تھیں۔ پر وہ ہمیشہ سے ہی صابر رہی تھی۔ شکوے کرنا اس کی عادات میں نہیں تھا۔ پر کبھی کبھی وہ تھک جاتی تھی۔ زندگی سے نہیں محتاجی سے، وہ بھی خاندان کے باقی لوگوں کی طرح سر اٹھا کر جینا چاہتی تھی۔

اسے خیرات میں ملی خوشیوں سے نفرت تھی۔ اس سب کے باجود زندگی گزارنے کے لیے اسے اس خیرات کی ضرورت تھی۔ ابّو کے ڈائیلاسس امّی کی گرتی صحت اور بھائی کا خراب ہوتا مستقبل۔ اس سب کو سنوارنے کے لیے روپے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور انہیں یہ

روپیہ پیسہ کوئی اور دیتا تھا۔ نیکی سمجھ کر یا ترس کھا کر وہ کبھی نہیں سمجھ سکی کہ اس کے ماموں انہیں کیا سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں اس کی اور اس کے گھر والوں کی کیا حیثیت تھی۔

لیکن ان لوگوں کی زندگی میں ماموں ان کی وہ ضرورت تھے جو کوئی اور پوری نہیں کر سکتا تھا۔ اب چاہے وہ محبت تھی یا رحم تھا انہیں فلحال یہ نہیں سوچنا تھا۔

اس کی زندگی میں صرف ایک ایسا وجود تھا جس سے اسے محبت کی خوشبو آتی تھی جہاں رشتہ دل سے تھا۔ وہ وجود جو نا ہوتا تو سفینہ واصف لنگڑی ہوتی یا شاید اس کا وجود بھی گھر کے باقی افراد کی طرح بیکار ہوتا۔

"سفینہ۔۔۔! کہاں ہو بیٹی۔۔۔ سفینہ۔۔۔!"

سعیدہ کی آواز پر اس نے جلدی جلدی بال سمیٹے اور ڈوپٹہ سر پر ڈالتی باہر نکلی۔

"بس آ گئی امّی۔۔ لائیں دیں مجھے۔"

ان کے ہاتھ سے چھری اور پیاز لیتے اس نے صحن میں جھانکا جہاں سجاد ابھی تک ابّو کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ باہر نہیں آنا چاہتی تھی، لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ دیر تک بیٹھا رہے گا اور امّی زیادہ دیر کچن میں کام نہیں کر پائیں گی تو اسے باہر آنا ہی پڑے گا۔

سجاد نے اب ہلکی مسکراہٹ چہرے پر لائے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔ سفینہ نے دوبارہ وہاں دیکھنے سے گریز کیا۔ وہ جانتی تھی وہ محض اسے زچ کرنے یہاں آتا ہے۔

"سفینہ سجاد کب سے آیا بیٹھا ہے۔ ایک کپ چائے ہی بنا دے۔"

سعیدہ اب کی بار کچھ گندے برتن کچن میں رکھنے آئی تو اس سے کہا۔ اس نے شکوہ کناں نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"بس تو بنا دے، دینے میں چلی جاؤ گی۔ جو بھی ہو ایسے اچھا نہیں لگتا بغیر کچھ کھلائے پلائے بھیجنا۔"

"امّی میں بنا دیتی ہوں۔ لیکن آپ خیال کیا کریں، مجھ ان کا اس طرح آنا بلکل نہیں پسند۔"

اس نے بیچارگی سے ماں کو دیکھتے کہا۔ جو نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہاں میں سر ہلاتے کمرے میں گئی۔ وہ ماں کو یہ نہیں کہہ پائی کہ اس کی آنکھوں میں موجود حوّس کو دیکھتے میرا دم گھٹتا ہے۔

امّی کے ہاتھ چائے بھجوائے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اس نے سجاد کو کچن کے قریب آتے دیکھا۔ ہانڈی میں آلو ڈالتے اس کے ہاتھ کپکپائے۔ اس نے آس پاس دیکھا۔ ابّو صحن میں ہی موجود

تھے، پر چارپائی سے انہیں نہیں دیکھ پاتے اور شاید ان کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اسے یاد آیا امّی بھی کل کی دعوت کے کپڑے استری کرنے اندر کمرے میں گئی تھی۔

"کیسے مزاج ہیں شہزادی کے۔۔؟"

سجاد ہلکے سے مسکرایا تھا۔

سفینہ کو اس کے اتنے پاس کھڑے ہونے سے نفرت ہونے لگی۔ اس نے منہ پھیرتے کوئی جواب نہیں دیا۔

سجاد چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر اُس کی آواز سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"تمہارا یہ نخرہ مجھے ذرا برا برا اچھا نہیں لگتا، سفی۔"

سفینہ کے ہاتھ رک گئے۔

"آئندہ میرے آنے پر یوں غائب ہونے کی کوشش مت کرنا۔"

وہ زرا قریب ہوا تھا۔

"میں تم سے ملنے آتا ہوں اور تم مجھ سے چھپتی پھرتی ہو۔ آخر کب تک؟"

سفینہ نے آہستہ سے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

ضبط سے مٹھیاں بھینچی۔ بھر طیش سے اس کی طرف مڑی۔

"میرا نام سفینہ ہے۔۔ سفی نہیں۔۔ اور مجھے آپ سے ملنے یا آپ کو دیکھنے کی کوئی خواہش نہیں۔"

"تم جانتی ہو نا، مجھے تمہاری یہ باتیں پسند نہیں۔"

سجاد کی آنکھوں میں ایک لمحے کو سختی اتری۔

"اور آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ مجھے آپ کا یوں بار بار اس طرح آنا پسند نہیں؟"

سفینہ نے دھیمی آواز میں بے بسی سے کہا۔

"پسند اور ناپسند کی بات بہت پیچھے رہ گئی ہے۔"

سجاد نے بے حد اطمینان سے کہا۔

"میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ تمہیں چاہتا ہوں۔ اور میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم مجھ سے دور رہو یا کسی اور کے ساتھ اپنی زندگی کا فیصلہ کرو۔"

سفینہ نے بے یقینی سے اُسے دیکھا۔

"آپ میری زندگی کا فیصلہ خود کیسے کر سکتے ہیں؟"

"کیونکہ میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"یہ آپ کا وہم ہے۔"

سجاد کے جبڑے بھنچ گئے۔

"وہم نہیں ہے۔ برسوں سے دیکھ رہا ہوں تمہیں۔ تمہاری ہر بات، ہر عادت جانتا ہوں۔ تم مجھ سے جتنی مرضی دور بھاگو، مجھے معلوم ہے آخر تمہیں میرے پاس ہی آنا ہے۔"

سفینہ کے اندر جیسے کچھ ٹوٹا۔

"میں آپ کے پاس نہیں آنا چاہتی، سجاد بھائی۔"

اُس نے لفظ **سجاد بھائی** پر خاصا زور دیا تھا۔

"اور شاید یہی بات آپ کو سب سے زیادہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔"

سجاد کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

"یہ لفظ دوبارہ مت کہنا۔

"اس کی آنکھوں کا رنگ بدلنے لگا۔۔سفینہ ایک لمحے کو گھبرائی۔

"کیوں۔۔کیوں کرتی ہو ایسے؟ تمہیں میری محبت نظر کیوں نہیں آتی۔"

اُس نے پہلی بار اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"کیونکہ میں آپ کو اُس نظر سے نہیں دیکھتی جس نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں۔"

چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

سجاد نے گہری سانس لی۔

"تمہیں لگتا ہے تم مجھے صرف اس لیے رد کر سکتی ہو کہ تمہاری مرضی نہیں؟"

"جی۔"سفینہ کا جواب بہت سادہ تھا۔

"اور میری خواہش؟"سجاد نے اُس کی طرف دیکھا۔

"آپ کی خواہش آپ کی ہے۔"

سفینہ نے ضبط سے کہا۔

"جس طرح میری زندگی میری ہے۔"

سجاد کی آنکھوں میں غصہ اُتر آیا۔

"جس کے بل بوتے پر اڑتی پھرتی ہو وہ تمہیں منہ کے بل گرائے گی۔۔اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ یہ سب پٹی اس ظہرہ کی پڑھائی ہوئی ہے۔"

"ظہرہ سے دور رہو سفینہ۔۔ آج میں تمہاری یہ بدتمیزی برداشت کر رہا ہوں صرف اس لیے کہ میں جانتا ہوں یہ تم نہیں ہو۔۔"

"نہیں۔"سفینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

اب کی بار اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

"یہ میں ہی ہوں۔۔ سفینہ ایسی ہی ہے۔۔مجھے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔۔ کم از کم میں یہاں سے خود کو کسی کا احسان لے کر نہیں نکالوں گی۔۔ پر میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔۔ میں نہیں کروں گی۔۔"

سجاد نے ایک لمحے کے لیے اُسے دیکھا، پھر سرد لہجے میں بولا۔

"تمہیں شاید لگتا ہے میں تمہاری یہ ضد برداشت کرتا رہوں گا۔"

سفینہ نے خاموشی سے اُسے دیکھا۔

"میں ضد نہیں کر رہی، میں صرف لفظوں میں آپ کو انکار کر رہی ہوں۔"

یہ جملہ جیسے سجاد کے صبر کا آخری سرا تھا۔

"دیکھ لوں گا میں ایک ایک کو۔ ابھی تم مجھے جانتی نہیں ہو۔"

سفینہ کے دل میں خوف کی ایک لہر اٹھی، مگر اُس نے اسے چہرے پر نہیں آنے دیا۔

سجاد نے چند لمحے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تین ہفتوں کا وقت دے رہا ہوں۔ تین ہفتوں میں امّی ابّو آئیں گے۔ اور ہماری شادی کی بات ہو گی۔"

"اور اگر میں پھر بھی انکار کر دوں؟" سفینہ نے فوراً کہا۔

سجاد خاموش ہو گیا۔

پھر اُس نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر تم مجھے مجبور کرو گی کہ میں تمہیں یہ سمجھاؤں کہ ہر فیصلہ صرف تمہاری مرضی سے نہیں ہوتا۔"

سفینہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"آپ مجھے دھمکا رہے ہیں؟"

"نہیں۔" سجاد نے سرد نظروں سے اُسے دیکھا۔

"تمہیں حقیقت سمجھا رہا ہوں۔"

وہ اس کے اتنا قریب کھڑا تھا کے ہاتھ بڑھا کر سفینہ کو چھو سکتا تھا۔

اور اس کے ایسے قریب ہونے پر سفینہ بے اختیار پیچھے ہوئی۔

"تین ہفتے ہیں تمہارے پاس۔ جب تک چاہو اپنی مرضی کی زندگی گزارو۔ اس کے بعد مجھے تمہاری یہ آزادی قبول نہیں ہو گی۔"

اس کے دور جانے پر چوٹ کرتا وہ بولا تھا۔۔

سفینہ نے ہاتھ پیچھے کرنا چاہا اور اس کا ہاتھ زور سے گرم ہانڈی پر لگا پر یہ جلن اس کے دل میں ہوتی جلن سے بہت کم تھی۔

وہ مڑا اور طیش میں واپس چلا گیا۔

سفینہ کی بڑھتی ہمت دیکھتے اس کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ چکا تھا۔۔وہ جس مقصد کے لیے آیا تھا پورا ہو گیا تھا۔

سفینہ واصف کو اپنی قسمت پر ماتم کرنے کے لیے ایک اور وجہ مل گئی تھی۔ایسی ہی زندگی جو اُس خاندان میں باقی عورتیں گزارتی تھیں اب اُس کا مقدر بننے والی تھی۔وہ جانتی تھی ابّا جتنے مرضی اچھے سہی لیکن بھائی کو انکار کرنے کی جرأت کبھی نہیں کریں گے۔

نصیبوں سے لڑتی جھگڑتی، ٹھوکریں کھا کر گرتی سنبھلتی،وہ اپنا وجود، اپنا اعتماد سب کھو چکی تھی۔ جو تھا وہ سب دوسروں کی دین تھا۔دوسروں کے ٹکڑوں پر پل پل کر اب اس کا وجود مٹھی میں بند ریت کے ذرّوں کی طرح گرتا جا رہا تھا۔

اُس نے ایک بار پھر اپنے کانپتے وجود کو تھپکی دی تھی۔

"بابِ اوّل:" کہر

Episode : 2

کراچی کی مصروف شاہراہ پر دوپہر اپنے جوبن پر تھی۔ دسمبر کی نرم دھوپ سڑک پر بکھری ہوئی تھی، مگر ٹریفک کا شور موسم کی خنکی کو دبا رہا تھا۔ سرخ اور سبز رنگ کی پرانی بسیں دھواں اڑاتی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں تھیں۔ کہیں پیلے چھت والے رکشے اپنی مخصوص "ٹررر... ٹررر..." کی آواز کے ساتھ راستہ مانگ رہے تھے، تو کہیں سوزوکی پک اپ لوگوں سے کھچا کھچ بھری آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔ فٹ پاتھ پر اخبار فروش شام کے ایڈیشن لہرا رہے تھے، جبکہ پان، سگریٹ اور کولڈ ڈرنک کی چھوٹی چھوٹی دکانوں کے سامنے لوگوں کے جھرمٹ لگے تھے۔ کسی کیسٹ شاپ سے قوالی مدھم آواز میں فضا میں تیر رہی تھی، اور چند دکانیں چھوڑ کر ایک الیکٹرانکس شاپ کے باہر رکھے ٹیلی ویژن پر پی ٹی وی کا دوپہر کا پروگرام خاموشی سے چل رہا تھا۔ ہوا میں گرد، پٹرول اور تازہ سموسوں کی ملی جلی خوشبو تیر رہی تھی۔

اسی شور و غل کے درمیان اس کی موٹر سائیکل اچانک دو تین جھٹکے کھا کر خاموش ہو گئی۔

اس نے ایک بار پھر کک لگائی، پھر دوسری... مگر انجن نے جیسے ہڑتال کر دی ہو۔ آخر کار ایک بے بس سانس بھرتے ہوئے اس نے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے کی اور خود بھی اس کے ساتھ اتر گیا۔ اب بیچ سڑک اس کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے ہینڈل تھامے اسے گھسیٹتے ہوئے پیدل چلنا ہی واحد حل تھا۔

شفاف ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری۔ پہلے سے الجھے خیالات میں اب اس کی بوڑھی ہانڈا سیونٹی نے بھی اپنی جگہ بنالی تھی۔

یہ سیکنڈ ہینڈ ہانڈا 70 اس کے ساتھ برسوں کا ساتھ نبھا رہی تھی۔ کالج کے زمانے سے لے کر آج تک وہ اسی پر شہر کی سڑکیں ناپ رہا تھا۔ اس موٹر سائیکل سے وابستہ ہر یاد کے پیچھے اس کی ماں کی محبت جڑی ہوئی تھی۔ جب وہ کالج میں داخل ہوا تھا تو امّاں کی ایک کمیٹی نکلی تھی، اور انہوں نے اپنی برسوں کی جمع پونجی میں سے زبردستی یہ موٹر سائیکل اس کے لیے خرید دی تھی، تاکہ روزانہ بسوں میں دھکے نہ کھانے پڑیں۔

حالانکہ اس نے کتنی منت کی تھی کہ وہ انہی پیسوں سے اپنے لیے سونے کی ایک چوڑی ہی بنوا لیں، مگر امّاں ہمیشہ کی طرح مسکرا کر یہی کہہ دیتی تھیں۔

"میرا زیور تو تم ہو، قیصر۔"

خیالوں میں خود سے باتیں کرتے کرتے وہ منزل تک پہنچا۔ دوپہر ڈھلنے کو تھی۔ گلی کے کونے پر بنی غفور چچا کی چھوٹی سی ورکشاپ سے ہتھوڑے کی ٹک ٹک، رینچ کے گھومنے کی آوازیں اور جلے ہوئے انجن آئل کی مخصوص بو پورے ماحول میں پھیلی ہوئی تھی۔

موٹر سائیکل گھسیٹتے ہوئے قیصر حبیب کے قدم اب پہلے سے بوجھل ہو چکے تھے۔ مسلسل چلنے سے اس کی سادہ نیلی کاٹن کی قمیض کمر کے پاس پسینے سے بھیگ گئی تھی جبکہ آستینیں حسبِ عادت کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں۔ دھوپ اس کی گندمی رنگت پر سنہرا سا عکس چھوڑ رہی تھی۔ پیشانی پر بکھرے گہرے سیاہ بال بار بار آنکھوں پر آ رہے تھے جنہیں وہ کبھی کلائی سے، کبھی انگلیوں سے پیچھے کرتا جا رہا تھا۔ پسینے کی نمی کے باوجود اس کے گھنے ابرو اور لمبی پلکیں چہرے کی سنجیدگی کو مزید نمایاں کر رہی تھیں۔

شاپ پر موجود دو تین لڑکے ایک رکشے کا انجن کھولے بیٹھے تھے جبکہ غفور چچا ایک پرانی یاماہا کے کاربوریٹر پر جھکے ہوئے تھے۔

قیصر موٹر سائیکل کو دھکیلتے ہوئے ورکشاپ کے سامنے رکا۔

"السلام علیکم چچا۔"

غفور چچا نے عینک ماتھے پر چڑھاتے سر اٹھایا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ارے او قیصر!" پھر موٹر سائیکل دیکھ کر ہنس پڑے۔ "آخر کار اس بڑھیا نے پھر ہتھیار ڈال ہی دیے؟"

قیصر بھی مسکرا دیا۔

"اب عمر ہو گئی ہے اس کی بھی۔"

غفور چچا نے موٹر سائیکل پر ایک نظر ڈالی، پھر بغیر دیکھے بولے،

"پلگ نہیں۔۔کلچ پلیٹ بھی نہیں۔۔۔یہ کاربوریٹر میں فیول روک رہی ہے۔"

قیصر نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"دیکھے بغیر؟"

"تمہارے ساتھ پانچ سال کام کیا ہے میں نے۔" انہوں نے ہلکی سی گردن اکڑائی۔ "تمہاری موٹر سائیکل کی آواز سے بھی پہچان لیتا ہوں اب۔"

ورکشاپ میں موجود نئے لڑکے نے حیرت سے پوچھا۔

"استاد، بھائی پہلے یہاں کام کرتے تھے؟"

غفور چچا نے رنچ میز پر رکھتے ہوئے فخر سے کہا،

"کام کرتے تھے؟"

"ارے یہ تو میرا دائیاں ہاتھ تھا۔"

"چچا، اب چھوڑیں بھی۔" قیصر نے فوراً بات کاٹی۔

"نہیں، کیوں چھوڑوں؟ کیا تمہیں کوئی شرمندگی ہے اس بات پر۔۔؟" غفور چچا نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"جس جگہ اور انسان نے میرے مشکل وقت میں ساتھ دیا تھا، اس بات سے شرمندہ ہو سکتا ہوں کیا چچا۔۔۔؟" اس کی بھاری آواز میں اداسی تھی۔۔ جیسے ماضی تلخ تھا اور شاید حال بھی۔۔

"یہ لڑکے سمجھتے ہیں تم ہمیشہ سے پڑھے لکھے بابو تھے۔" پھر شاگردوں کی طرف مڑ گئے۔

"جب اس کے ابا کا انتقال ہوا تھا نا۔۔۔ تب تم سے بھی چھوٹا تھا یہ، اور باپ نے پالا بھی نازوں سے تھا پھر مشکل آئی تو ایسا اُٹھ کر کھڑا ہوا کہ ہم سب تو دیکھتے ہی رہ گئے۔ صبح پڑھائی کرنے جاتا تھا، دوپہر میرے پاس کام پر آ جاتا۔ شام کو ٹیوشن پڑھاتا، پھر رات کو پھر اپنی پڑھائی کرتا تھا۔"

"پھر بھی انجینئر نہیں بنے؟" ایک شاگرد نے بے اختیار پوچھا۔

قیصر کے تھکن زدہ چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔۔

"نہیں، صحافی بن گیا۔" غفور چچا نے شاگرد کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"اصل بات سمجھ۔۔کام کوئی چھوٹا نہیں ہوتا۔" پھر محبت سے قیصر کی طرف دیکھ کر بولے۔

"آج بھی اگر میری ورکشاپ پر دو دن کے لیے آجائے نا، تو آدھا کام اکیلا سنبھال لے۔"

قیصر نے بات بدلنے کی غرض سے جیب سے پیسے نکالے۔

"چچا، پہلے بتائیں خرچہ کتنا آئے گا؟"

غفور چچا نے ایسے دیکھا جیسے اس نے کوئی بے وقوفی کی ہو۔

"تم سے پیسے لوں گا میں؟"

"کیوں نہیں لیں گے؟"

"اس لیے کہ جب میرے ہاتھ میں فریکچر ہوا تھا، پورا مہینہ یہ ورکشاپ تم نے چلائی تھی۔ایک روپیہ لیے بغیر۔"

قیصر نے بولنے کے لیے لب وا کیے لیکن کچھ سوچتے خاموش ہو گیا۔

غفور چچا نے موٹر سائیکل اندر کھینچتے ہوئے کہا۔

"جا۔۔کل شام آکر لے جانا۔"

"اور ہاں۔۔۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے انگلی اٹھائی۔

"صحافی بن جانا، بڑا آدمی بن جانا۔۔۔مگر کبھی یہ مت کہنا کہ غفور مکینک کو نہیں جانتا۔"

قیصر نے اُن کی آنکھوں میں بے اختیار نمی سی اترتی دیکھی، ان کے سانولے ہاتھوں پر اب جھریاں پہلے سے واضح تھی۔اُس کے دل میں اُن کے لیے پہلے سے موجود احترام مزید بڑھا پھر وہ آگے بڑھا اور جھک کر غفور چچا کے جھریوں زدہ ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتے آنکھوں سے لگایا۔

"آپ جیسے لوگوں کو بھول جاؤں تو سمجھیں میری ساری پڑھائی ضائع ہو گئی، چچا۔"

غفور چچا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جا۔۔۔اللہ تجھے وہاں پہنچائے جہاں تیرا نصیب لکھا ہے۔مجھے ہمیشہ یقین تھا، یہ لڑکا کبھی کسی ورکشاپ میں نہیں رکے گا۔"

✦✧✦.....✦✧✦

"تم بتاؤ۔۔۔برخودار تمہارا کیا خیال ہے اب ظہرہ کے بارے میں۔۔اگر پسند ہے تو ٹھیک ورنہ کُھل کر بات کرو۔"

اُس رات جب وہ ایک بزنس ڈیل کر کے لوٹا تو ڈیڈی نے اسے لاؤنج میں ہی دھر لیا۔

وہ شروع سے جانتا تھا ڈیڈی ظہرہ اور اُس کے رشتے کو لے کر کس قدر حساس ہیں۔جبکہ ممّی نے اُسے ظہرہ کے علاوہ بھی چند لڑکیاں دکھائی تھیں۔انہیں ظہرہ پسند تھی لیکن ایک ہی گھر میں دو بہنوں کو لانے کے خیال سے وہ پوری طرح مطمئین نہیں تھی۔انہیں نا جانے کون سے خدشات لاحق تھے۔

"میں ابھی کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا ڈیڈی۔۔مجھے کچھ وقت دیں۔"

وہ اپنے آپ کو سمجھ نہیں پا رہا تھا، ظہرہ سے اس کی چند مختصر ملاقاتیں خوشگوار رہی تھیں، مگر متین سکندر اُن لوگوں میں سے تھا جو زندگی کے کسی بھی معاملے میں کمی بیشی برداشت نہیں کرتے تھے۔

اُس نے اسے محض دو سے تین بار دیکھا تھا وہ بھی کچھ لمحوں کے لیے۔پہلی بار تو وہ اُس سے ملنے نہیں آسکی تھی۔اور پھر جب وہ آئی تو وہ قدرے مصروف تھا اس لیے وقت نہیں دے پایا۔

لیکن آخری ملاقات باقی دو ملاقتوں کی بانسبت قدرے تفصیل سے ہوئی تھی۔ اور اُسے وہ واقعتاً اندازہ ہوا تھا کہ وہ ڈریم گرل کیوں تھی۔

بہت ڈھونڈنے کے باوجود وہ ظاہری طور پر وہ اُس میں کوئی کمی نہیں نکال پایا تھا۔ یوں اُس کا دل اس رشتے پر راضی تھا۔ وہ مسٹر پرفیکشنسٹ تھا اور اُسے ایسی ہی لڑکی اپنے لیے درکار تھی۔ لیکن باوجود اس کے کچھ تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔

وہ ساری زندگی ایک پریکٹیکل زندگی گزارتا آیا تھا۔ بزنس پڑھتے پڑھتے وہ رشتوں کو بھی بزنس ڈیل کی طرح پرکھنے لگا تھا۔ نفع نقصان کی تفریق کی بنا پر، لیکن یہ رشتہ ازل سے ابد تک کا تھا کوئی بزنس ڈیل نہیں اور یہی ایک چیز متین سکندر سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

ڈھوڈنے کے باوجود وہ ظہرہ بتول میں کمی نہیں نکال پا رہا تھا۔

وہ ٹھیک ویسی ہی تھی جیسی لڑکیاں اسے پسند تھیں۔

لیکن پھر بھی۔۔۔

نجانے کیوں دل مکمل اطمینان محسوس نہیں کر رہا تھا۔

متین سکندر ہمیشہ دماغ سے فیصلے کرتا آیا تھا۔کاروبار میں بھی،زندگی میں بھی۔ نفع نقصان، قابلیت،حالات، مستقبل۔۔۔ہر چیز کو ترازو میں رکھ کر فیصلہ کرنا اس کی فطرت تھی۔

لیکن یہ رشتہ۔۔یہ ناہی تو کوئی معاہدہ تھا اور ناہی کاروباری ڈیل۔

یہ پوری زندگی کا فیصلہ تھا،اور پہلی بار اُسے محسوس ہوا کہ کچھ فیصلوں کو کرنے کے لیے کوئی فارمولا نہیں ہوتا۔

اور یہی احساس اسے بے چین کر رہا تھا۔

"میں تمہاری وجہ سے اُس بچی کو مزید نہیں لٹکاؤں گا متین۔اگر تمہیں ظہرہ پسند نہیں تو بات ختم کرو۔ورنہ بختیار ہمارے انتظار میں اُس کا کہیں رشتہ طے نہیں کر رہا۔"

اب کی بار انہوں نے سختی سے اسے تنبیہہ کی تھی۔

"آپ تھوڑا وقت تو دیں اُسے۔۔ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اسے پاکستان آئے ہوئے۔"ممّی نے اس کی حمایت کی تھی۔"ویسے بھی زندگی بھر کا سوال ہے،کچھ وقت تو درکار ہو گا اُسے۔"

اس نے ایک لمحہ خاموش رہ کر دونوں کو آپس میں الجھتے دیکھا،پھر آہستہ سے بولا۔

"میں پارٹی کے فوراً بعد آپ کو مطلع کر دوں گا ڈیڈی۔ بس تب تک کے لیے وقت دیدیں۔"

اس نے ممّی کو آنکھوں کے اشارے سے تھپکی دیتے فرمانبرداری سے ڈیڈی کو جواب دیا تھا۔

شاہنواز سکندر نے چند لمحے اُسے دیکھا، پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

اپنے کمرے میں آکر بھی متین کا ذہن اسی ایک معاملے میں الجھا رہا۔

اس نے ایک بار پھر ممّی کی بتائی ہوئی دوسری لڑکیوں کے بارے میں سوچا، مگر ہر بار موازنہ وہیں آکر ختم ہو جاتا۔ اُن میں سے کوئی بھی اُسے ظہرہ کے مدمقابل نہیں تھی۔

اصل مسئلہ پسند یا ناپسند کا نہیں تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ زندگی میں پہلی بار وہ کسی فیصلے کو صرف منطق سے حل نہیں کر پا رہا تھا۔

ظہرہ میں کوئی واضح خامی نہ ملنا ہی شاید اس کی بے چینی کی وجہ بن گیا تھا۔ متین سکندر ہمیشہ خامیاں تلاش کر کے فیصلے آسان کرتا آیا تھا، مگر اس بار اسے فیصلہ کرنے کے لیے کوئی وجہ مل ہی نہیں رہی تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

کچن میں ہلدی، گرم مصالحوں اور تازہ پکتی دیسی گھی کی خوشبو ایک ساتھ رچی ہوئی تھی۔ چولہے پر ہلکی آنچ میں ہانڈی دم توڑ رہی تھی، جبکہ دوسری طرف کھیر کی دیگچی ابھی بھی نیم گرم تھی۔ برتنوں کی ہلکی ہلکی کھنک اور پریشر ککر کی مدھم سی سیٹی سے نکلتی اشتہا انگیز خوشبوں پورے گھر میں مہک رہی تھی۔

پلاؤ، چکن کڑاہی، شامی کباب، رائتہ، سلاد، فروٹ چاٹ اور آخر میں قیصر کی پسندیدہ کھیر۔

"یہ سب تم نے بنایا ہے فریحہ۔۔؟" انہوں نے حیران ہوتے کچن میں موجود کھانے کے انبار کو دیکھا۔۔۔ ہر چیز قیصر کی پسند کی تھی۔۔ اور قیصر حبیب کی پسند فریحہ کی آنکھوں میں جگنوؤں کی طرح چمکتی تھی۔

"سب کچھ تو نہیں کچھ چیزیں امّی نے۔۔"

پسینے میں بھیگے ہونے کے باجود وہ سرشار تھی۔ چولہے کی تپش سے اس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے بے اختیار دوپٹے کے پلو سے ماتھا صاف کیا۔ ہلکے پستئی رنگ کے سادہ سے سوٹ میں ملبوس وہ کسی بناوٹ کے بغیر ہی دلکش لگ رہی تھی۔ گلابی مائل گندمی رنگت گرمی سے مزید نکھر آئی تھی، جبکہ بڑی بڑی شہد رنگ آنکھوں میں ہر وقت

بسی معصوم سی چمک اسے اور بھی خوبصورت بنا دیتی تھی۔گھنے سیاہ بال لمبی چوٹی میں بندھے تھے، مگر چند شرارتی لٹیں بار بار چہرے پر آ گرتیں اور وہ انہیں کلائی کے ایک ہلکے سے جھٹکے سے کان کے پیچھے کر لیتی۔

حلیمہ نے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔۔۔پھر محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے گویا ہوئیں۔

"خود کو مت تھکایا کرو فری۔۔۔میں ابھی فریدہ سے پوچھتی ہوں، ضرور اسی نے تمہیں صبح سے کچن میں لگا رکھا ہو گا۔۔۔ویسے بھی قیصر کو کہاں شوق ہے اتنے نت نئے کھانوں کا۔وہ تو چائے روٹی بھی خوشی سے کھا لیتا ہے۔"

"ایسے تو مت بولیں ناخالہ۔۔۔"اس نے ہلکی سی شکایتی نظر سے انہیں دیکھا۔"امی نے اتنے شوق سے بنوایا ہے۔آخر ان کی اتنی اچھی نوکری لگی ہے۔۔۔اتنا تو ہم سیلیبریٹ کر سکتے ہیں نا اُن کے لیے۔۔۔وہ بھی تو ہمارے لیے اتنا کچھ کرتے ہیں۔۔"

"پھر جب وہ کچھ نہ کھائیں تو روتے ہوئے ہمارے پاس مت آیئے گا۔۔۔"

حلیمہ بیگم کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے سمعیہ نے شرارت سے کہا۔

فریحہ کا منہ لمحوں میں لٹک گیا، پھر مسکراتی ہوئے اُس نے سمعیہ کو دھکا دیتے حلیمہ بیگم کے کندھے پر بازو سے ہار بنایا۔

"خالہ جانی۔۔۔میری پیاری خالہ" آپ انہیں مت بتایئے گا کہ یہ سب ہم نے ان کے لیے بنایا ہے۔"

اس نے لفظ ہم پر خاص زور دیا۔۔وہ چاہ کر بھی یہ ظاہر نہ کر سکی کہ صبح سے کچن میں کھڑی، ہر ڈش کا ذائقہ چکھنے والی، ہر برتن سجا کر رکھنے والی صرف وہی تھی۔

حلیمہ نے ایک لمحہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔وہ اس کی آنکھوں میں چھپی محبت کو برسوں سے پڑھتی آئی تھیں۔بس خاموشی سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھ رہی ہیں آپ خالہ؟"سمعیہ نے فوراً شکایت لگائی۔"قیصر بھائی کے لیے اتنا اہتمام، اور میرا اتنا اچھا رزلٹ آیا تھا تو کسی نے اتنی تیاری نہیں کی۔"

"لو بھلا، اُس دن قیصر نے کوئی کسر چھوڑی تھی جو کسی اور کو موقع ملتا۔"

فریدہ بیگم ہاتھ میں کٹے باداموں کی پلیٹ لیے کچن میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

"فری، کھیر ٹھنڈی ہونے رکھی یا ابھی تک باتوں میں ہی لگی ہو؟ تمہیں معلوم ہے نا قیصر گرم کھیر نہیں کھاتا۔" بادام کی پلیٹ اُسے تھماتے انہوں نے فریحہ کو دیکھتے کہا۔۔

"اچھا... اچھا... ابھی رکھتی ہوں۔۔ آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی لائے بادام دیں اس سے ڈیزائن بناؤ گی کھیر پر۔"

وہ فوراً دیگچی اٹھانے لگی تو حلیمہ نے مصنوعی خفگی سے فریدہ کو دیکھا۔

"تم نے بھی بچی کو صبح سے کاموں میں لگا رکھا ہے۔ ابھی چند دن پہلے ہی بخار سے اٹھی ہے، اس کا بھی خیال کر لیا کرو۔"

حلیمہ خالہ نے فری کے لیے آواز بُلند کی ٹھیک ویسے ہی جیسے فریدہ قیصر کے لیے کیا کرتی تھیں۔ اور سمعیہ وہ بس انہیں دیکھتی جاتی۔۔ کبھی کبھی اسے لگتا، اس گھر میں دو نہیں، ایک ہی ماں ہے۔۔ جو کبھی قیصر کے سر پر ہاتھ رکھتی ہے اور کبھی فریحہ کے۔۔۔

قیصر حبیب اس کی عورتوں کا واحد کفیل تھا۔۔ فریدہ اور حلیمہ بہنیں ہونے کے ساتھ ساتھ دیورانی جیٹھانی بھی تھیں۔۔ زندگی اچھی گزر رہی تھی۔۔ حبیب اور کمال اپنی ماں کے دو ہی بیٹے تھے ایک بہن تھی جو اپنے گھر میں خوش تھی۔

لیکن دونوں بھائی ہی کراچی میں ہونے والے ایک خود کش دھماکے کی نذر ہو گئے تھے۔

قیصر اُس وقت سولہ سال کا تھا، فریحہ چودہ سال کی اور سمعیہ محض دس سال کی۔

یہ خبر اُن سب پر قیامت بن کر ٹوٹی تھی۔ اور اس حادثے نے ان سب کو بری طرح مشکلات میں ڈال دیا تھا، لیکن قیصر حبیب صرف مشکلات کی زد میں نہیں آیا تھا اس نے اپنا بچپن کھویا تھا۔۔ وہ جو باپ کا لاڈلا تھا، اولیولز کے بعد آگے گورنمنٹ کالج میں پڑھتا رہا۔۔ رہی حلیمہ ان کے پاس ان کا اکلوتا بیٹا قیصر تھا۔۔ جس نے باپ کے بعد ماں کو سنبھال لیا تھا۔

اور وہ سولہ سالہ مرد صرف اپنی ماں کا تحفظ نہیں تھا، اُس نے فریدہ اور ان کی بیٹیوں کے لیے بھی اپنا ظرف وسیع کر لیا تھا۔ اپنے خواب اور لڑکپن کو چھوڑ کر وہ سولہ سال کی عمر میں اپنے

گھر کا وہ اکلوتا مرد بن چکا تھا جس نے اپنے گھر کی عورتوں کو زمانے کی سرد و گرم ہواؤں سے بچانا تھا۔۔۔اور وہ بچاتا آیا تھا۔۔

✦✧✦.....✦✧✦

اگلے چند دن سفینہ کے لیے عجیب سی گھٹن میں گزرے تھے۔

وہ سجاد کی دھمکی کو اپنے ذہن سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتی، مگر اس کے الفاظ بار بار کانوں میں گونجنے لگتے۔

"تین ہفتے کا وقت دے رہا ہوں۔۔۔امی ابو واپس آئیں گے ہماری شادی کی بات کرنے۔"

وہ جانتی تھی، سجاد محض دھمکی دے کر خاموش بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔اور اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ جانتی تھی کہ اس کے خاندان کا ان کے گھر پر کتنا اثر تھا۔سجاد کی ماں، اس کی تائی، برسوں سے ان کے گھر کے معاملات میں اپنی رائے رکھتی آئی تھیں۔سعیدہ ان کی دی ہوئی ہر بات کو ماننے کی عادی تو نہیں تھیں، مگر ان کے سامنے کھڑے ہو جانے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھیں۔

شاید اسی لیے اس دن دوپہر کے وقت دروازے پر دستک ہوئی تو سفینہ کے دل نے بے اختیار ایک دھڑکا کھایا۔

وہ کچن میں امی کے ساتھ بیٹھی سبزیاں کاٹ رہی تھی۔ سعیدہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سفی، ذرا دیکھ تو بیٹی کون ہے۔"

سفینہ نے چھری ایک طرف رکھی، ہاتھ دھوئے اور دوپٹہ ذرا سا درست کرتی صحن سے گزر کر دروازے تک آئی۔ کنڈی کھولی تو سامنے اپنی تائی نسرین کو دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹھکی۔

ان کے ساتھ سجاد کی شادی شدہ بہن کرن بھی کھڑی تھیں۔

"السلام علیکم، تائی۔"

"وعلیکم السلام، بیٹی۔ سعیدہ بھابھی گھر پر ہیں؟"

"جی۔۔۔ اندر ہیں۔ آپ اندر آئیں۔۔"

وہ دونوں اندر آئیں تو سعیدہ بیگم نے بھاوج کو دیکھتے ہی اٹھنے کی کوشش کی۔

"ارے نسرین بھابھی۔۔۔! آپ یہاں۔۔؟"

"ہاں سعیدہ، بس ذرا خاص کام سے آنا ہوا۔"

ان کے لہجے کی غیر معمولی خوش دلی نے سفینہ کے دل میں اترتی بے چینی کو اور بڑھا دیا۔

سعیدہ نے انہیں بیٹھنے کو کہا۔ نسرین اپنی ساتھ آئی کرن کو ہمراہ لیے بیٹھ گئیں جبکہ سفینہ خاموشی سے ایک طرف کھڑی رہی۔

"خیر تو ہے؟" سعیدہ بیگم نے پوچھا۔

نسرین نے مسکراتے ہوئے ساتھ بیٹھی کرن کی طرف دیکھا جو ماں کی نسبت قدرے خاموش تھی، پھر سفینہ کی طرف۔

"خیر ہی خیر ہے بھئی۔ بس سمجھ لیں اللہ نے آپ کی بچی کے لیے اچھا نصیب بھیجا ہے۔"

سفینہ کے ہاتھ بے اختیار آپس میں جڑ گئے۔

وہ پہلے ہی سمجھ چکی تھی کہ بات کس طرف جانے والی ہے۔

سعیدہ کے چہرے پر بھی اچانک سنجیدگی اتر آئی۔

"کس بچی کی بات کر رہی ہیں بھابھی؟"

"ارے اپنی سفینہ کی۔"

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

سفینہ نے نظریں جھکا لیں۔

نسرین بیگم نے بات کو معمول کی گفتگو کی طرح آگے بڑھایا۔

"بہن، سجاد کی طرف سے تو آپ جانتی ہی ہیں کہ بات کافی عرصے سے ہے۔ اب لڑکا بھی اپنا ہے، بچی بھی اپنی۔ ہم نے سوچا ہے کہ آخر کب تک بات یونہی چلتی رہے۔ گھر میں بھی سب یہی چاہتے ہیں کہ رشتہ اپنے ہی خاندان میں ہو جائے۔"

سفینہ کی انگلیاں مزید مضبوطی سے آپس میں الجھ گئیں۔

سعیدہ بیگم نے دھیرے سے کہا۔

"نسرین، ابھی تو ہم نے اس بارے میں۔۔۔"

"ارے، سوچنے کی کیا بات ہے؟" نسرین نے نرمی سے ان کی بات کاٹ دی۔ "اپنے ہی گھر کی بچی ہے۔ تم لوگوں کے حالات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ سجاد تمہیں جانتا ہے، سفینہ کو جانتا ہے۔ اس سے بہتر اور کیا چاہیے؟"

وہ شان سے بیٹھی یوں گفتگوں کر رہی تھیں جیسے سب پہلے سے طے کر کے آئی ہوں۔

سفینہ نے پہلی بار سر اٹھا کر تائی کی طرف دیکھا۔

(تم لوگوں کے حالات بھی ہمارے سامنے ہیں۔)

یہ جملہ اس کے دل میں تیر کی طرح لگا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ محض رشتے کی بات نہیں تھی۔ سجاد کے خاندان کو اپنے اثر ورسوخ کا بخوبی اندازہ تھا، اور شاید اسی اعتماد کی وجہ سے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ سفینہ کے گھر والے آخر کار انکار نہیں کر پائیں گے۔

نسرین نے سفینہ کی خاموشی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے سجاد بھی سفینہ کو پسند کرتا ہے۔بچے ایک دوسرے کو جانتے ہیں،اس لیے ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں۔اب میرے خیال میں سجاد کے ابو لاہور سے واپس آئیں تو بات پکی کر دینی چاہیے۔"

سعیدہ نے بے اختیار سفینہ کی طرف دیکھا۔

"میں نے تو کہا سجاد سے پہلے اپنے ابو کو آ لینے دو۔پھر ہی میں باقاعدہ رشتہ لے کر جاؤں گی۔۔پر آج کرن آئی ہوئی تھی تو بضد تھا بس آج ہی آ کر تم سے بات کر لوں۔۔اب آج بات کرتے یا کل تم نے یا واصف بھائی نے انکار تھوڑی نا کرنا تھا۔بس سجاد کے ابو آ جائیں تو باقاعدہ رسم وغیرہ بھی کر لیں گے۔"

وہ تو جیسے ہتھیلی پر سرسوں جمانے میں لگی تھیں۔

"ابھی تو بچی سے بھی۔۔۔"

"بہن،بچیاں کب اپنے لیے فیصلے کر پاتی ہیں؟"نسرین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"ماں باپ ہی تو بہتر جانتے ہیں کہ ان کے لیے کیا اچھا ہے۔"

سفینہ کے سینے میں جیسے کچھ بھاری سا آ گرا۔

وہ مزید وہاں کھڑی نہ رہ سکی۔

"امی۔۔۔میں ذرا کچن دیکھ لوں۔"

سعیدہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

نسرین بیگم نے اس پر دھیان نہیں دیا، البتہ کرن نے اس کے چہرے پر پھیلتی وحشت کو ضرور دیکھا تھا۔

وہ آہستہ قدموں سے کچن میں چلی گئی۔بظاہر اس کے قدم پر سکون تھے، مگر اندر ہی اندر جیسے زمین قدموں سے سرک رہی تھی۔

کچن تک پہنچ کر اس نے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھ دیے۔

سانسیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔

وہ جانتی تھی، یہ صرف ایک رشتے کی بات نہیں تھی۔

یہ اس کی پوری زندگی کا فیصلہ تھا۔۔۔اور شاید اس کی مرضی کے بغیر۔

سب سے زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ سجاد اکیلا نہیں تھا۔اس کے پیچھے اس کا پورا خاندان تھا، اور اس خاندان کی گرفت ان کے گھر پر اس قدر مضبوط تھی کہ سفینہ کو اپنی آواز بہت کمزور محسوس ہو رہی تھی۔

دروازے کے باہر سے تائی کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔

"ہمیں بس تمہاری ہاں چاہیے سعیدہ۔۔۔باقی سب ہم سنبھال لیں گے۔"

سفینہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

اسے سجاد کا چہرہ یاد آیا۔

وہ دھمکی آمیز لہجہ یاد آیا۔

(تین ہفتے کا وقت دے رہا ہوں۔۔۔)

اس نے بے اختیار اپنے بازو پر ہاتھ پھیرا، جیسے خود کو یقین دلانا چاہتی ہو کہ وہ اب بھی وہی سفینہ ہے جو چند دن پہلے سجاد کے سامنے تن کر کھڑی ہوئی تھی۔

مگر اس بار مسئلہ صرف سجاد نہیں تھا۔

اس بار مسئلہ یہ تھا کہ اگر اس کی اپنی ماں، اس کا بیمار باپ، اس کا بھائی۔۔۔سب اس رشتے کے سامنے خاموش کھڑے ہو گئے تو وہ اکیلی کس کے سامنے کھڑی ہو گی؟

چولہے پر رکھی ہانڈی سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

باہر رشتے کی بات چل رہی تھی۔

اور اندر سفینہ پہلی بار اپنے ہی گھر میں خود کو بے اختیار محسوس کر رہی تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

سفینہ کافی دیر تک کچن میں کھڑی چولہے پر رکھی ہانڈی کو بے مقصد دیکھتی رہی۔باہر سے آتی آوازیں اب مدھم پڑ چکی تھیں۔شاید تائی اور ان کے ساتھ آئی کرن جا چکی تھیں۔

وہ جانتی تھی اب امی اس کے پاس آئیں گی۔

اور واقعی کچھ ہی دیر بعد سعیدہ دروازے پر آ کر رک گئیں۔

"سفی۔۔۔"

وہ چونکی نہیں تھی وہ پہلے ہی ان کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

"جی امی۔"

سعیدہ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں۔اس کی آنکھوں سے ٹپکتی وحشت نے ان کا دل کچلا پھر آہستگی سے اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئیں۔

"بیٹی، تائی جو بات کر کے گئی ہیں۔۔۔"

"مجھے سجاد سے شادی نہیں کرنی۔"

سفینہ نے اتنی جلدی جواب دیا کہ سعیدہ ایک لمحے کو خاموش رہ گئیں۔

"سفی، میری بات تو سن۔۔۔"

"نہیں امی۔" اس بار اس کی آواز دھیمی تھی، مگر لہجہ پہلے سے کہیں زیادہ واضح۔"آپ میری بات سنیں۔مجھے سجاد سے شادی نہیں کرنی۔"

سعیدہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"سفینہ۔۔میری بچی، میں تمہاری بات سمجھتی ہوں، لیکن ہر بات اتنی آسان نہیں ہوتی۔"

"میرے لیے تو یہ بات بہت آسان ہے امی۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ "مجھے وہ پسند نہیں۔ میں اس کے ساتھ پوری زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"پسند ناپسند سے زیادہ بھی تو بہت کچھ ہوتا ہے سفینہ۔"

"کیا ہوتا ہے؟"

اس نے پہلی بار پلٹ کر ماں کو دیکھا۔

"رشتہ خاندان میں ہے۔ تائی تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہتی ہیں۔ سجاد بھی تمہیں پسند کرتا ہے۔"

سفینہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ آئی۔

"وہ مجھے پسند کرتا ہے؟"

اس کی آنکھوں میں خوف کی ایک جھلک ابھری۔

"امی، آپ نے اس کی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔ آپ نے اس کا لہجہ نہیں سنا تھا۔ آپ کو معلوم نہیں وہ میرے ساتھ کس طرح بات کرتا ہے۔"

سعیدہ خاموش رہیں۔

"وہ مجھے ڈراتا ہے امی۔"

آخری جملہ کہتے ہوئے سفینہ کی آواز ٹوٹ گئی۔

"اور جس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچ کر ہی مجھے خوف آنے لگے، میں اس کے ساتھ کیسے نکاح کر لوں؟"

سعیدہ نے فوراً آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"سفی۔۔۔"

"مجھے معلوم ہے آپ مجبور ہیں۔" سفینہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھے سب معلوم ہے۔ تائی کا اس گھر پر کتنا اثر ہے، وہ ہمارے لیے کیا کچھ کرتی رہی ہیں، ابّو کی حالت بھی آپ کے سامنے ہے۔۔۔ لیکن امی، کیا ان سب کے بدلے میں میری زندگی بھی دے دینی ہے؟"

سعیدہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ایسا مت کہو بیٹی۔ ماں کبھی اپنی اولاد کی زندگی کا سودا نہیں کرتی۔"

"تو پھر میرا ساتھ دیں۔"

سفینہ کی آواز میں پہلی بار التجا ابھری۔

"بس اتنا کہہ دیں کہ میں سجاد سے شادی نہیں کروں گی۔ چاہے کوئی ناراض ہو جائے، چاہے تائی مجھ سے بات نہ کریں۔۔۔ آپ بس میری طرف سے انکار کر دیں۔"

سعیدہ نے نظریں چرا لیں۔

"اگر تیرے ابّو نے ہاں کر دی تو؟"

سفینہ چند لمحے انہیں دیکھتی رہی۔

"تو میں ان سے خود بات کروں گی۔"

"اور اگر وہ نہ مانے؟"

اس سوال نے جیسے اس کے اندر کی ساری ہمت ایک لمحے کو چھین لی۔

وہ خاموش ہو گئی۔

پھر بہت دھیرے سے بولی۔

"تو پھر بھی میں ہاں نہیں کہوں گی۔"

سعیدہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

سفینہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے، مگر اس بار اس کے لہجے میں عجیب سا سکون تھا۔

"امی، میں غریب ہوں۔۔۔ مجبور ہوں۔۔۔ ان سب کے سہارے ہوں، یہ سب مانتی ہوں۔ لیکن میری زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق صرف اس لیے کسی کو نہیں دے سکتی کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

سعیدہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"میری بچی۔۔۔"

سفینہ ماں کے سینے سے لگتے ہی پھوٹ پڑی۔

"مجھے سجاد سے بچا لیں امی۔۔۔ میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔"

سعیدہ کے ہاتھ اس کے سر پر پھرتے رہے۔

مگر ان کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

کیونکہ وہ جانتی تھیں، بیٹی کا ہاتھ تھام لینا آسان تھا۔۔۔

اس کے لیے پورے خاندان کے سامنے کھڑا ہونا شاید اتنا آسان نہیں تھا۔

✦✧✦.....✦✧✦

یونیورسٹی کی لائبریری سے نکلتے ہوئے ظہرہ نے اپنی کتابیں سینے سے لگائیں اور سفینہ کے ساتھ راہداری میں چلنے لگی۔ سامنے لان میں طلبہ کے چھوٹے چھوٹے گروہ بیٹھے تھے۔ کہیں اسائنمنٹ پر بحث ہو رہی تھی، کہیں آنے والے فائنلز کی تیاریوں کے قصے تھے، جبکہ درختوں کے درمیان چلتی ہلکی ہوا موسم کی خوشگواری میں اضافہ کر رہی تھی۔

"تم کل آ رہی ہو نا؟"

ظہرہ نے چلتے چلتے بے خیالی سے پوچھا۔

"کہاں؟"

"متین کی پارٹی میں۔"

سفینہ نے ایک پل کو اسے دیکھا، پھر ہلکا سا سر ہلایا۔

"پتا نہیں۔۔۔امی سے پوچھ کر بتاؤں گی۔"

"ضرور آنا۔" ظہرہ نے جیسے محض یاد دہانی کروائی ہو، پھر چند قدم خاموشی سے چلنے کے بعد بولی، "ویسے کل کی پارٹی خاصی بڑی ہے۔"

سفینہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"زرینہ آنٹی نے خاص طور پر فون کیا تھا۔" ظہرہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "کہہ رہی تھیں کہ خاندان کے سب لوگ ہوں گے، اس لیے میری شرکت بھی ضروری ہے۔"

سفینہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"تو پھر تم جا رہی ہو؟"

"ہاں، اب تو جانا ہی پڑے گا۔" ظہرہ نے ذرا سا منہ بنایا۔ "بوا نے بھی کل کافی سمجھایا تھا۔ میں نے تو صاف منع کر دیا تھا، میرا اپنا ایونٹ تھا۔ مگر انہیں لگتا ہے کہ خاندان کے معاملات میں کبھی کبھی اپنی سہولت دیکھنا اچھی بات نہیں ہوتی۔"

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی، پھر جیسے اچانک کوئی معمولی سی بات یاد آئی ہو، بولی،

"ویسے گھر میں ایک اور بات بھی ہو رہی ہے۔۔۔"

"کیا؟"

"یہی کہ زیبا اور مزین کے ساتھ ساتھ۔۔۔ شاید میرا اور متین کا رشتہ بھی طے ہو جائے۔"

ظہرہ نے یہ بات بالکل سادہ انداز میں کہی تھی۔ نہ چہرے پر کوئی خاص خوشی تھی نہ شرمندگی۔ جیسے گھر میں چلنے والی کسی عام گفتگو کا ذکر کر رہی ہو۔

سفینہ نے چند لمحوں کے لیے اسے دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے؟"

"ہاں۔" ظہرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "زیبا نے بتایا مجھے اور اسے ممی نے تاکہ وہ مجھے بتا دے اور میں ذہنی طور پر اس رشتے کے لیے تیار رہوں۔ امی ابو کی خواہش بھی ہے۔ شہنواز تایا اور زرینہ آنٹی بھی چاہتے ہیں کہ دونوں بہنوں کے رشتے ایک ساتھ ہو جائیں۔"

"اور تم؟"

ظہرہ نے اس سوال پر فوراً جواب نہیں دیا۔ کچھ سوچ کر بولی،

"میں نے ابھی کچھ سوچا نہیں۔"

پھر قدرے بے زاری سے اپنی کتابوں کو درست کیا۔

"متین سے میری کوئی خاص بات چیت بھی تو نہیں ہوئی۔ بس خاندان والے پسند کرتے ہیں، تو دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔"

سفینہ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ جانتی تھی ظہرہ اپنی زندگی کے معاملات میں ہمیشہ واضح رہی تھی۔ پڑھائی، مستقبل، کام۔۔۔ ہر چیز کے بارے میں اس نے پہلے سے سوچ رکھا تھا۔ شادی بھی شاید اس کی ترجیحات کی فہرست میں کہیں بہت اوپر نہیں تھی۔

"کل تو تمہیں خاص دعوت بھی ملی ہے نا؟"

"ہاں، بہت خاص۔" ظہرہ نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کہہ رہے تھے میری غیر موجودگی اچھی نہیں لگے گی۔"

"اور تم پھر بھی نہیں جانا چاہتی تھیں؟"

"اب جا رہی ہوں نا۔" وہ ہنس دی۔ "ویسے کل متین کی کمپنی کا برانڈ لانچ بھی ہے۔ اسی کی خوشی میں پارٹی ہے۔"

پھر اس نے سفینہ کی طرف دیکھ کر پوچھا،

"تم بتاؤ، کل کیا پہن رہی ہو؟"

سفینہ نے نظریں جھکا لیں۔

"میں؟ مجھے نہیں معلوم۔ شاید نہ جاؤں۔"

"کیوں؟"

ظہرہ نے پہلی بار اس کے لہجے پر غور کیا۔ سفینہ آج معمول سے زیادہ خاموش تھی۔ اس کے چہرے پر وہی شائستگی تھی، مگر جیسے ذہن کہیں اور الجھا ہوا ہو۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے۔"

ظہرہ نے چلتے چلتے اس کا بازو ہلکے سے تھام لیا۔

"صبح سے تم عجیب سی ہو۔"

سفینہ نے لب بھینچ لیے۔وہ کئی بار سے یہی سوچ رہی تھی کہ ظہرہ کو سب کچھ بتادے۔اسے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جس کے سامنے وہ اپنے دل کا بوجھ رکھ سکے۔

مگر اب تک وہ مناسب موقع ڈھونڈ رہی تھی۔

"ظہرہ۔۔۔"

"ہمم؟"

"مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔"

ظہرہ نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں، کہو۔"

"وہ۔۔۔"

وہ دوبارہ رک گئی۔

ظہرہ نے بے صبری سے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

سفینہ نے ایک گہری سانس لی۔

"میرے گھر سجاد کے گھر سے رشتہ آیا ہے۔"

ظہرہ کے چہرے کی مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی۔

"سجاد؟"

سفینہ نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"لیکن تم نے بتایا کیوں نہیں۔۔۔"

"کل ہی نسرین تائی آئیں تھیں، باجی کرن کو ساتھ لیے۔۔"

"وہ خود بھی میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

سفینہ کی آواز میں ناگواری صاف سنائی دی۔

"اور اب اس کی امی بھی باقاعدہ رشتہ لے کر آگئی ہیں۔ کہہ رہی ہیں مختار تایا لاہور سے واپس آئیں گے تو بات پکی کر دیں گے۔

"ظہرہ نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو تم انکار کر دو۔"

سفینہ نے اسے دیکھا۔

"میں نے امی سے کہا ہے کہ مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔"

"پھر مسئلہ کیا ہے؟"

"مسئلہ یہ ہے کہ بات صرف میری ہاں یاناں کی نہیں ہے، ظہرہ۔"

اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"تم جانتی ہو نا تائی کا ہمارے گھر پر کتنا اثر ہے۔ ابّو کی حالت تم سے چھپی نہیں۔ امی پہلے ہی ہر وقت پریشان رہتی ہیں۔ سجاد کی فیملی اگر اس رشتے پر اڑ گئی تو۔۔۔"

"تو میں ڈیڈی سے بات کروں گی۔" ظہرہ نے فوراً کہا۔

سفینہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہارے ڈیڈی سے؟"

"ہاں۔ وہ تمہارے ماموں ہیں۔ تمہارے لیے اتنا تو کر ہی سکتے ہیں۔ میں انہیں بتاؤں گی کہ تم سجاد سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔"

سفینہ نے چند لمحے اسے دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔

"بات اتنی سادہ نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے؟"

ظہرہ کے لہجے میں الجھن تھی۔

"اگر تمہیں وہ پسند نہیں تو بس انکار کر دو۔"

سفینہ نے آہستہ سے کہا۔

"میں انکار کر چکی ہوں، ظہرہ۔"

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ تم جس زندگی میں پلی بڑھی ہو، وہاں شاید انکار صرف ایک لفظ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں۔۔۔ انکار کے بعد بھی بہت کچھ باقی رہ جاتا ہے۔"

ظہرہ خاموش ہو گئی۔

سفینہ نے پہلی بار اس کی طرف دیکھ کر دل کی بات کہنے کی کوشش کی۔

"تم نہیں سمجھ رہیں۔"

"میں سمجھنے کی کوشش تو کر رہی ہوں۔"

"نہیں، تم بس یہ سوچ رہی ہو کہ ماموں سے بات ہو جائے گی اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس کی آواز میں شکوہ اتر آیا تھا۔

"لیکن اگر میں ماموں کے سامنے جا کر کہوں کہ مجھے سجاد سے شادی نہیں کرنی، تو اس کے بعد میرے گھر میں کیا ہو گا؟ تائی کیا کریں گی؟ ابّو کیا سوچیں گے؟ امی کس طرف کھڑی ہوں گی؟ اور اگر سب نے کہا کہ سجاد برا لڑکا نہیں، خاندان اپنا ہے، وہ مجھے پسند کرتا ہے، تو میں کس بات کو بنیاد بنا کر سب کے سامنے کھڑی رہوں گی؟"

ظہرہ کے پاس فوراً کوئی جواب نہیں تھا۔

سفینہ نے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھا۔

"تمہارے لیے شاید یہ صرف ایک رشتہ ہے جسے انکار کر کے ختم کیا جا سکتا ہے۔ میرے لیے یہ میرا پورا خاندان ہے۔ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ ہمیں روز جینا ہے۔ وہ احسان ہیں جنہیں میرے گھر والے کبھی بھول نہیں سکتے۔"

ظہرہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"لیکن سفی، تم اپنی پوری زندگی کسی کے احسان کے بدلے تو نہیں دے سکتیں۔"

سفینہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"بس فرق اتنا ہے کہ تم یہ بات کہہ سکتی ہو۔۔۔میں نہیں۔"

اس کے دل میں خاموشی چھا گئی۔

ظہرہ نے اسے اپنی طرف کھینچ کر گلے لگا لیا۔

"میں پھر بھی ڈیڈی سے بات کروں گی۔"

سفینہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

"مت کرنا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ ابھی مجھے خود نہیں معلوم کہ میں اس سب سے کیسے نکلوں گی۔بس۔۔۔تم میرے لیے معاملہ مزید مشکل مت کرنا۔"

ظہرہ کچھ کہنے لگی، مگر سفینہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر روک دیا۔

"مجھے صرف یہ چاہیے تھا کہ تم میری بات سن لو۔ابھی مجھے کسی حل کی نہیں، کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو مجھے یہ نہ کہے کہ سب آسان ہے۔"

ظہرہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

اور سفینہ نے پہلی بار محسوس کیا کہ کبھی کبھی سب سے قریبی انسان بھی آپ کی تکلیف کو صرف اس لیے نہیں سمجھ پاتا، کیونکہ اس نے وہ زندگی کبھی گزاری ہی نہیں ہوتی، وہ تکلیف کبھی سہی نہیں ہوتی جس سے آپ گزر رہے ہوتے ہیں۔

✦✧✦.....✦✧✦

شہنواز سکندر کے گھر کا وسیع لان آج روشنیوں سے نہایا ہوا تھا۔ درختوں کی شاخوں پر لپٹی ننھی ننھی قمقمہ نما روشنیاں ہوا کے ساتھ ہلکی ہلکی جھلملا رہی تھیں۔ لان کے ایک طرف کھانے کا وسیع انتظام تھا، دوسری جانب سفید غلاف چڑھے صوفے اور کرسیاں ترتیب سے رکھی تھیں، جبکہ درمیان میں ایک چھوٹا سا اسٹیج بنایا گیا تھا جس کے عقب میں بڑے حروف میں SWAN نمایاں تھا۔

آج کی تقریب متین سکندر کے پاکستان میں اپنے نئے برانڈ کے آغاز کی خوشی میں تھی۔ شہنواز سکندر کے دوست احباب، کاروباری حلقے سے تعلق رکھنے والے افراد اور خاندان کے قریبی لوگ بڑی تعداد میں شریک تھے۔

ظہرہ بھی آج خاصی مصروف تھی۔وہ ایک طرف سے دوسری طرف جاتی، کسی بزرگ کے پاس چند لمحے بیٹھتی، کسی بچی کے بال درست کرتی اور پھر اپنی کسی کزن کے ساتھ ہنستی ہوئی آگے بڑھ جاتی۔

ہلکے گلابی رنگ کے نفیس لباس میں اس کے کھلے سیاہ بال کندھوں تک آتے تھے۔چہرے پر معمول کی شگفتگی تھی، مگر آج اسے بارہا یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

اور ہر بار جب وہ بے اختیار پلٹ کر دیکھتی، اسے متین کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتا۔

وہ کبھی اپنے والد کے ساتھ کھڑا ہوتا، کبھی کسی کاروباری شخص سے بات کرتا اور کبھی کسی کی بات سن کر مختصر سا سر ہلا دیتا۔

اس کا دھیان بھٹک بھٹک کر متین شہنواز کی طرف جاتا اور وہ ناچاہتے ہوئے بھی نگاہیں اس طرف پھیر لیتی۔۔ایک عجیب سی کشمش تھی جس میں وہ دونوں فریقین ہی مبتلا تھے۔

ظہرہ نے تیسری مرتبہ اسے اپنی طرف متوجہ پایا تو اس بار فوراً نگاہیں نہیں چرائیں۔

چند لمحے دونوں کی نظریں ملیں۔ لیکن اس بار متین نے نا نگاہیں جھکائیں نا ہی رخ پھیرا۔ آخر ظہرہ نے کچھ قدم کے فاصلے پر موجود کھڑی زیبا کی طرف دیکھنا شروع کر دیا یوں جیسے وہ متوجہ ہی زیبا کی طرف تھی۔

اس کے دل میں عجیب سی بے چینی اٹھی۔

"یہ میں کیا کر رہی ہوں۔۔؟ پہلی بار تو نہیں دیکھ رہی انہیں ایسے تو بیوقوف لگ رہی ہوں۔۔ پر وہ بھی تو یہی کر رہے ہیں۔"

متین سکندر کی حالت بھی کچھ مختلف نہیں تھی، خاندان میں کتنی ہی بار ملاقات ہوئی تھی دونوں کی۔ مگر تب کبھی ظہرہ نے اس طرح متین کو غور سے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور متین تو ویسے بھی کبھی کسی سے زیادہ گھلا ملا نہیں کرتا تھا۔

ابھی کچھ عرصے سے گھر میں اس کے نام کے ساتھ متین کا نام جوڑا جانے لگا تھا، اور شاید اسی وجہ سے اب اس کا معمولی سا دیکھنا بھی ظہرہ کو غیر معمولی لگنے لگا تھا۔

وہ خود کو جھڑکنے کے انداز میں زیبا کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اتنی توجہ سے کیا دیکھ رہی ہو؟" زیبا کی آواز پر وہ چونکی۔

"کچھ بھی تو نہیں۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"میں نے تو اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔" زیبا نے شرارت سے کہا۔

ظہرہ نے اسے گھورا۔

"تم آج کل بہت بدتمیز ہو رہی ہو، زیبا۔۔"

"آج کل۔۔۔؟" زیبا نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"میں تو بچپن سے ایسی ہی بدتمیز ہوں۔" اس نے نزاکت سے اتراتے کہا۔۔

ظہرہ ہنس دی۔

مزین جو وہیں کھڑا دونوں بہنوں کو آپس میں الجھتا دیکھ رہا تھا بیچ میں لقمہ دیتے بولا۔

"یہ بات بالکل درست ہے ویسے ظہرہ۔۔۔"

اپنے بلکل پیچھے سے اس کی آواز سنتے زیبا فوراً پلٹی۔

"تم سے کسی نے پوچھا۔۔؟"

"میں نے صرف سچ کہا ہے، میڈم زیبا النساء۔" مزین نے سر کو خم کرتے بے فکری سے کہا۔

"تمہیں ہر بات میں دخل دینا ضروری ہے؟" گویا وہ چڑ گئی تھی۔

"تمہاری بات ہو تو ہاں۔۔"

اُس کے شرارت سے کہنے پر زیبا نے آنکھیں گھمائیں اور ظہرہ کی طرف دیکھا۔

"دیکھ رہی ہو؟"

"تم دونوں کے معاملے میں پڑنے سے بہتر ہے میں خاموش رہوں۔" ظہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہی وجہ ہے کہ تم خاندان کی سب سے سمجھدار لڑکی ہو۔" مزین نے کہا۔

"اور تم پورے خاندان کے سب سے بیوقوف لڑکے۔"

زیبا کہتے ہی اس کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔

مزین بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چلتے شاید پھر اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"ان دونوں کا بھی عجیب معاملہ ہے۔" ظہرہ نے سر جھٹکا۔

وہ ابھی مسکرا ہی رہی تھی کہ اس کی نظر دوبارہ متین پر پڑ گئی۔

اس بار وہ اکیلا تھا۔

اور شاید اسی لیے ظہرہ کو اچانک گھبراہٹ محسوس ہونے لگے۔وہ سامنے پڑی پھولوں کی ٹوکری سے ایک پھول درست کرنے لگی۔

متین چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر خود ہی اس کی طرف بڑھ آیا۔

ظہرہ نے اسے آتے دیکھا تو ہاتھ رک گئے۔وہ کچھ کہے بغیر اس کے قریب آکر رک گیا۔

"آپ شاید کافی مصروف ہیں۔" متین نے بات شروع کی۔

ظہرہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔اونچا لمبا قد کسرتی بازو کھلتی ہوئی رنگت سنجیدہ گہری آنکھیں۔

وہ واقعی وہاں موجود ہر لڑکی کا پرنس چارمنگ تھا۔

"مصروف تو آپ بھی ہیں۔" اس نے دھیمے سے اسے دیکھے بغیر جواب دیا۔

ہلکے گلابی رنگ میں وہ بھی اسے گلابی ہی لگی تھی۔۔یا شاید یہ اس کا وہم تھا۔

"میری مجبوری ہے۔" متین نے لمحے بھر کو آس پاس دیکھتے کہا۔

"میری بھی۔" ظہرہ نے بھی کندھے اچکاتے اسی لب و لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کی کیا مجبوری ہے؟" وہ اس جواب کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

ظہرہ نے ایک لمحے کو اسے دیکھا، پھر ہلکا سا کندھا اچکایا۔ آس پاس موجود لوگوں کو دیکھا۔

"سب کو لگتا ہے مجھے آج سب سے ملنا چاہیے۔ زرینہ آنٹی مجھے اپنے سوشل سرکل میں سب سے ملوانا چاہتی ہیں۔"

متین کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ وہ اس قدر صاف اور سیدھے جواب کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

"اور آپ کو نہیں لگتا؟"

اس کی دلچسپی یکدم ظہرہ بتول میں کچھ بڑھی۔ جب وہ اس سے بات کرنے آیا تو سوچا تھا اسے شرماتی گھبراتی لڑکی ملے گی۔۔

"مجھے لگتا ہے۔" وہ ایک لمحے کو رکی۔

"بس اتنا نہیں لگتا جتنا باقی سب کو لگتا ہے۔"

متین ہنس تو نہیں سکا، مگر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نرمی ابھری۔

چند لمحے دونوں خاموش رہے۔

ظہرہ کو اچانک اس خاموشی کا احساس ہونے لگا۔

متین سے اس نے اس سے پہلے بھی بات کی تھی، مگر آج ہر لفظ سوچ کر بولنا پڑ رہا تھا۔

شاید اس لیے کہ اب وہ صرف متین سکندر نہیں تھا۔

وہ شخص تھا جس کا نام پچھلے کچھ عرصے سے اس کے مستقبل کے ساتھ جوڑا جا رہا تھا۔

متین نے بھی شاید یہی محسوس کیا۔ اور اب کی بار وہ بول پڑا جس کے لیے وہ یہاں موجود تھا۔

"آپ کو اس رشتے کے بارے میں کچھ بتایا گیا ہے؟"

سوال اتنا اچانک تھا کہ ظہرہ نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

"کون سے رشتے کے بارے میں؟"

وہ جانتی تھی وہ کیا پوچھ رہا ہے، پھر بھی پوچھ بیٹھی۔

متین نے چند لمحے اسے دیکھا۔

"وہی... جس کا ذکر ہمارے گھر میں ہو رہا ہے۔"

ظہرہ کے گالوں پر ہلکی سی سرخی ابھری۔

"جی۔" بس ایک لفظ اور اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

"مجھے بھی بتایا گیا ہے۔" متین نے بھی نظریں دوسری طرف کر لیں۔

"اچھا۔"

پھر خاموشی۔

ظہرہ کو سمجھ نہیں آیا کہ اب کیا کہنا چاہیے۔

آخر کار وہ بے اختیار مسکرا دی۔

"مجھے لگ رہا ہے ہم دونوں ہی بہت اچھی گفتگو کر رہے ہیں۔" متین نے اس کی طرف دیکھتے کہا۔

ظہرہ کو وہ خود بھی بے چین لگا، جیسے وہ خود تھی۔

"مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔" اس بار ظہرہ کے لبوں پر ہنسی آ گئی۔

"تو پھر شاید ہمیں یہ گفتگو کسی اور دن کے لیے چھوڑ دینی چاہیے۔"

"شاید۔"

متین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ظہرہ۔" وہ جانے کے لیے پلٹی تو متین کی آواز پھر سنائی دی۔

"جی؟" وہ رک گئی۔

"آپ... اس رشتے کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟"

اس سوال نے اسے ایک لمحے کے لیے اسے بالکل خاموش کر دیا۔

وہ پلٹی۔

متین کا چہرہ حسبِ معمول سنجیدہ تھا، مگر اس بار اس کی آنکھوں میں سوال صاف تھا۔

ظہرہ نے نظریں جھکا لیں۔

"میں نے ابھی... کچھ سوچا نہیں۔"

"میں نے بھی نہیں۔" وہ فوراً بولا۔

ظہرہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

متین نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"لیکن سوچنا پڑے گا۔"

ظہرہ کے دل کی دھڑکن جانے کیوں ایک لمحے کے لیے تیز ہوئی۔

اس نے صرف اتنا کہا۔

"جی۔"

اور اس بار وہ واقعی وہاں سے چلی گئی۔

کچھ قدم دور جا کر بھی اسے اپنے گالوں پر پھیلی ہلکی گرمی محسوس ہو رہی تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

لان کے دوسرے سرے پر سفینہ خاموشی سے ظہرہ اور متین کو گفتگو کرتے دیکھ رہی تھی۔

کتنی آسان تھی ظہرہ کی زندگی۔۔۔

ظہرہ ہمیشہ سے خوش قسمت رہی تھی۔۔

اور سفینہ کو لگتا تھا جیسے ظہرہ بتول دنیا کی ہر خوشی کی مستحق ہے۔۔

اس کے ارد گرد لوگ ہنس رہے تھے، باتیں کر رہے تھے، ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے، مگر وہ جیسے اس محفل کا حصہ ہو کر بھی اس کا حصہ نہیں تھی۔

اس کی نگاہ کبھی اپنی ماں کی طرف اٹھتی، کبھی ابّو کی طرف۔

کل گھر میں ہوئی گفتگو بار بار ذہن میں آ رہی تھی۔ اس محفل کی رونق اسے عجیب گھٹن میں مبتلا کر رہی تھی۔

"سجاد سے شادی کر لو۔" سعیدہ بیگم کے کہے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

یہ خیال ہی اس کے اندر گھبراہٹ پیدا کر دیتا تھا۔

وہ سجاد کو پسند نہیں کرتی تھی۔

یہ بات وہ خود جانتی تھی۔

مگر کیا صرف ناپسند کرنا کافی تھا؟

اس نے نظریں جھکا لیں۔

اس کی نگاہیں سامنے زیبا کی طرف اٹھیں۔ مزین بھی کچھ فاصلے پر کھڑا تھا اور حسبِ معمول زیبا کو چھیڑنے کا کوئی موقع ڈھونڈ رہا تھا۔

سفینہ کے دل میں عجیب سا احساس ابھرا۔

"بعض لوگوں کے لیے شادی ایک خوشگوار خواب ہوتی ہے... اور میرے لیے؟"

اس نے فوراً یہ خیال جھٹک دیا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ آج کی خوشی میں اپنی پریشانی کا سایہ ڈالے۔

تبھی ظہرہ اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں آ پہنچی۔

"سفی! تم یہاں بیٹھی ہو؟" سفینہ نے فوراً چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

"ہاں، بس ذرا تھک گئی تھی۔"

ظہرہ اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"تم آج کچھ زیادہ ہی خاموش ہو۔"

"تمہیں ہر وقت میری فکر کیوں لگی رہتی ہے؟"

سفینہ نے ہلکی سی مسکراہٹ سے بات ٹالنی چاہی۔

"کیونکہ تم میری دوست ہو۔" ظہرہ نے سادگی سے جواب دیا۔

سفینہ کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے بھیگیں، مگر اس نے پلکیں جھکا لیں۔

"آج تمہارا دن ہے۔ میری فکر چھوڑو۔"

"تم مجھے فکر چھوڑنے کو کہو گی تو میں اور زیادہ کروں گی۔"

ظہرہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

سفینہ نے اس کے ہاتھ پر اپنی انگلیاں رکھ دیں۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔

سجاد کے بارے میں۔

گھر کے بارے میں۔

اس خوف کے بارے میں جو اندر ہی اندر اسے کھائے جا رہا تھا۔

مگر عین اسی وقت دور سے اس کی ماں نے اسے آواز دی۔

"سفینہ!"

وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

"آتی ہوں امی۔"

ظہرہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

سفینہ اٹھ کھڑی ہوئی، مگر جانے سے پہلے ایک لمحے کو ظہرہ کی طرف دیکھا۔

اس ایک نظر میں اتنی بے بسی تھی کہ ظہرہ کی مسکراہٹ خود بخود مدھم پڑ گئی۔

"سفی؟"

سفینہ نے صرف سر ہلایا۔

"ابھی کچھ نہیں ظہرہ۔۔۔"

وہ اپنی ماں کی طرف چل دی۔ ظہرہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

اور پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ سفینہ واقعی کسی ایسی پریشانی میں تھی جسے وہ صرف باتوں سے حل نہیں کر سکتی تھی۔

دوسری طرف متین بھی اپنے مہمانوں کے درمیان کھڑا تھا، مگر اس کی نگاہ ایک لمحے کو ظہرہ اور سفینہ پر ٹھہری۔

اس نے سفینہ کو آنکھوں سے کچھ صاف کرتے دیکھا پھر اس نے ظہرہ کو دیکھا۔

اس سارے عرصے میں یہ پہلی بار تھا کہ متین سکندر نے اسے نوٹ کیا تھا، ورنہ اپنے گھر والوں سے اس نے صرف زیبا اور ظہرہ کا ہی ذکر سنا تھا۔ البتہ ظہرہ اور سفینہ کی دوستی کا اسے ہمیشہ سے ہی معلوم تھا۔

اور جانے کیوں آج کی شام اسے پہلے سے کہیں زیادہ پیچیدہ محسوس ہونے لگی۔
بے اختیار اس کی نظروں نے سفینہ واصف کا پیچھا کیا۔

"بابِ اوّل:" کہر

Episode : 3

رات گہری ہونے لگی تھی لیکن لان میں لگی روشنیوں کی چمک اب بھی ویسی ہی تھی، مگر مہمانوں کی تعداد بتدریج کم ہو رہی تھی۔ کہیں دور سے برتن سمیٹنے کی آواز آ رہی تھی اور کہیں ملازم کرسیاں ایک طرف جمع کر رہے تھے۔ خاندان کے قریبی لوگ اب بھی اپنی اپنی جگہ موجود تھے اور محفل اپنی آخری ساعتوں میں داخل ہو چکی تھی۔

سفینہ اپنی جگہ سے اُٹھی تو سامنے زیبا اور مزین کھڑے دکھائی دیے۔

دونوں کسی بات پر آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔

وہ وہاں سے گزرنے ہی والی تھی کہ زیبا کی آواز اُس کے کانوں میں پڑی۔

"ظہرہ کو تو بارہ بجے کے بعد پتا چلے گا کہ ہم نے سپرائز پلین کیا ہے۔۔ اُف وہ کتنا خوش ہو گی سب دیکھ کر۔ اُسے تو یقین ہی نہیں آئیگا کہ اس سے چھپ کر میں نے کیک بیک کیا ہے۔" زیبا جوش و خروش سے اپنی تیاری کے بارے میں بتا رہی تھی۔

سفینہ کے قدم ایک لمحے کو رکے۔ اور اُس نے بے ساختہ اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

26 جنوری۔۔یعنی ظہرہ کا برتھ ڈے۔۔

ایک لمحے کو جیسے اُس کے ارد گرد کی تمام آوازیں مدھم پڑ گئیں۔

وہ زیبا اور مزین تھے جو آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔۔ان دونوں نے اس پلین میں سفینہ کو شامل نہیں کیا تھا۔یہ سوچ اچانک ہی اس کے ذہن میں نمودار ہوئی۔اور اس سوچ کے ساتھ یہ احساس کے وہ سوائے ظہرہ کے سب کے لیے معمولی تھی۔۔اسے اپنی اہمیت کا اندازہ ہمیشہ سے تھا اس کا مقام جو بھی تھا پر اہمیت کا حامل نہیں تھا۔۔اور یقینن وجہ اس کے گھر کے مالی حالات تھے۔۔وہ خاندان کے باقی لوگوں کی طرح نہیں تھی۔اس سب میں صرف ایک ظہرہ تھی جو بغیر کسی وجہ کے بغیر کسی غرض کے اسے ہمیشہ زیبا کی جگہ پر رکھتی تھی۔ظہرہ کے پاس بہت لوگ تھے جو اس کے بارے میں سوچتے تھے اس سے محبت کرتے تھے۔لیکن سفینہ کی زندگی میں ظہرہ کے علاوہ اور کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اسے اہمیت دیتا۔اس کی قدر کرتا۔اس سے محبت کرتا اور اس کی ہر پریشانی میں اس کے ساتھ کھڑا ہوتا۔سفینہ کے پاس ظہرہ وہ واحد تھی جو اسے یہ احساس دلاتی تھی کہ وہ بھی اہم ہے۔لیکن اس وقت اسے اس بات کا احساس بہت شدت سے ہوا تھا کہ باقیوں کے لیے وہ کچھ بھی نہیں تھی۔۔

سفینہ نے بے اختیار اُن کی طرف دیکھا۔اُس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے ایسی خاموش اداسی آئی جسے وہ چھپالینا چاہتی تھی لیکن وہ چاہ کر بھی اپنا چہرہ نارمل نہیں رکھ پائی ایک۔ بعض دفعہ اپنا آپ اسے ان سب کے سامنے بہت چھوٹا لگنے لگتا تھا۔ چھوٹا اور حقیر۔۔

اسے یکدم احساس ہوا اس کے پاس ظہرہ کو دینے کے لیے کوئی تحفہ نہیں ہے۔اُس کی گلابی ہوتی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا اس نے نظریں جھکالیں۔

آج ظہرہ کا برتھ ڈے تھا۔

جو وہ بھول گئی تھی۔

اُس کی سب سے قریبی دوست کا جنم دن۔۔۔

اور وہ خالی ہاتھ کھڑی تھی۔

اُسے دینے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں تھا وہ خالی ہاتھ تھی۔۔اگر اسے یاد بھی ہوتا تو مہینے کی آخری تاریخوں میں وہ اسے باقی سب کی طرح قیمتی تحائف نہیں دے سکتی تھی۔اس نے گھیلی سانس اندر کھینچی۔

اس خیال نے جیسے اُس کے سینے کو بوجھ تلے دبا دیا تھا۔

سینہ میں عجیب درد ہونے لگا تھا۔اس نے چہرہ اوپر کیا خود کو رونے سے بعض رکھا۔سب کے سامنے اس کی سبکی ہو گی، سب جانتے ہیں وہ ظہرہ کی خاص دوست ہے اور کے جنم دن کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں، اسے پھر ڈھیروں رونا آیا مگر آنسوؤں کو حلق میں اتارتے اس کی آنکھیں لال ہونے لگیں تھیں۔اس نے رونے سے بچنے کی خاطر چہرہ مزید اونچا کیا تاکہ آنسوں باہر نا نکل سکیں۔ایک ہاتھ ہوا بھی جھلاتے خود کو ہوا دینے لگی۔سینے میں عجیب درد اٹھنے لگا تھا۔

وہ پہلے ہی اپنے گھر کے حالات کی وجہ سے ہر خوشی کے سامنے خود کو ناپ تول کر دیکھنے کی عادی تھی۔ مگر آج پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ شاید وہ واقع ظہرہ کو ڈیسرو نہیں کرتی۔وہ ظہرہ کے لیے کبھی کچھ نہیں کر سکی۔

اُسے یاد نہیں رہا کہ زیبا اور مزین اُس کے بعد کیا بات کر رہے تھے۔

اُس کے ذہن میں صرف یہی بات رہ گئی کہ وہ ظہرہ کو کیا تحفہ دے گی۔

اُس نے بے اختیار اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔اُسے اپنی غفلت پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ اپنی قسمت پر رونا آیا۔ظہرہ نے ہمیشہ اُس کے چھوٹے سے چھوٹے دن کو یاد رکھا تھا۔

اور وہ۔۔۔وہ اُس کا برتھ ڈے تک بھول گئی تھی۔اور اب اس کے پاس کوئی تحفہ بھی نہیں تھا۔

"یا اللہ۔۔۔"

بے اختیار اُس کے دل سے نکلا۔اُس نے چہرہ جھکا دیا۔اس کی آنکھوں میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔اس کی گلابی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع تھا۔اب ناک بھی سرخ ہونے لگی تھی۔اس نے چہرہ گھما کر ظہرہ کو دیکھا۔

ظہرہ کچھ فاصلے پر کسی رشتے دار سے بات کر رہی تھی۔اُس کے چہرے پر وہی روشن مسکراہٹ تھی،وہی بے فکری،وہی زندگی سے بھرپور انداز۔

سفینہ نے اس کے پاس جانے کے لیے ہمت جمع کرنا چاہی۔سینے میں اٹھتے درد کو سنبھالنے کے لیے۔اس نے سینہ مسلنا چاہا اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئی۔یہ وہ پہلا پینک اٹیک تھا جو اسے بیچ محفل میں آیا تھا۔

وہ بھاگتے ہوئے لان کے نسبتاً تاریک حصے میں آکر ایک بڑے سے درخت کے پیچھے موجود نشست پر دونوں پیر اوپر کیے بیٹھ گئی۔

اُس نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیا آنسوں اندر دکھیلنے لگی اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

بس اتنی سی بات تھی۔

ایک تحفہ ہی تو دینا تھا۔

مگر اُس کے پاس وہ بھی نہیں تھا۔

اور پھر ذہن نے ایک کے بعد ایک سارے دکھ اُس کے سامنے لا کھڑے کیے۔

سجاد کا چہرہ۔۔۔

تین ہفتے۔

امّی کی بے بس آواز۔۔۔

سجاد سے شادی کر لو۔

ابّو کی خاموشی۔۔۔

اپنے گھر کی محتاجی۔۔۔

اور پھر ظہرہ۔

ظہرہ، جس کے پاس سب کچھ تھا۔وہ خوش قسمت تھی۔اُس کے لیے زندگی جیسے قسمت کا ہر دروازہ کھول دیتی تھی۔

اور سفینہ؟اُس کے حصے میں خوشیاں بھی خیرات کی طرح آتی تھیں۔چھوٹی سی خواہش رکھنے پر بھی وہ سوچتی تھی کیا وہ اسے حاصل کرنے کی استطاعت بھی رکھتی ہے؟نہیں وہ نہیں رکھتی۔اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ایک آنسو گال پر لڑھک گیا۔

پھر دوسرا۔

وہ اپنے آنسو روکنے کی عادی تھی۔برسوں سے عادی تھی۔

امّی کے سامنے نہیں روئی۔

ابّو کے سامنے نہیں روئی۔

سجاد کے سامنے بھی نہیں روئی۔

ظہرہ کے سامنے بھی نہیں۔

مگر یہ غبار کبھی نا کبھی تو نکلنا ہی تھا۔۔یہ آنسوں کبھی نا کبھی تو بہنے ہی تھے۔

ظہرہ کو تحفہ نا دینے پر جو سبکی سب کے سامنے اسے ہونی تھی یہ احساس سب پر غالب تھا۔۔ ذلت کا احساس سب پر حاوی تھا۔

اُس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کیں۔

"میں کب تک۔۔۔؟"

جملہ مکمل نہ ہو سکا۔

اُس کی آواز حلق میں ہی گھٹ گئی۔

وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکنے لگی۔

اس کے آنسو خاموشی سے گرتے رہے۔رونے سے اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، آنکھیں متورم اور پلکیں مسلسل نمی سے بھیگی ہوئی تھیں۔ گالوں پر آنسوؤں کی باریک لکیریں نمایاں تھیں، جبکہ ہونٹ بار بار بھینچنے کے باوجود کپکپا جاتے تھے۔

ایک ویران کونے میں وہ چھپ کر رو رہی تھی۔

اتنی آواز میں کہ خود اُس کی سسکیاں بھی شاید اُسے سنائی نہ دیتیں، مگر خاموش لان میں گزرتے کسی شخص کے کانوں تک وہ ضرور پہنچ سکتی تھیں۔

اور پہنچی بھی۔

متین سکندر مہمانوں سے فارغ ہو کر اندر کی طرف جا رہا تھا کہ اُس کے قدم اچانک رک گئے۔

اُس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ لان کا وہ حصہ نسبتاً تاریک تھا۔ پہلے تو اُسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ پھر دوبارہ وہی دبی دبی سسکی سنائی دی۔ متین چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ اسے عجیب سا احساس ہوا۔

اُس کے چہرے پر معمول کی سنجیدگی تھی، مگر اس طرح عجیب سی سسکیوں کی آواز سن کر اُس کی پیشانی پر ہلکی سی شکن نمودار ہوئی۔ وہ کچھ لمحے خاموشی سے اُس سمت دیکھتا رہا کہ اسے وہاں جانا چاہیے یا نہیں۔

پھر آخر وہ اُس سمت بڑھ گیا۔ قریب پہنچ کر اُس کی نگاہ سفینہ پر پڑی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی۔۔ وہ یہاں کر کیا رہی تھی۔۔ وہ اکیلی بیٹھی تھی۔ چہرہ جھکا ہوا، ہاتھ میں دوپٹے کا پلو اور آنکھوں سے بہتے آنسو۔

متین کے قدم وہیں رک گئے۔

سفینہ کا چہرہ رونے سے سرخ پڑ چکا تھا۔ آنکھوں کے گرد ہلکی سی سوجن تھی، پلکیں بھیگی ہوئی اور گال آنسوؤں سے نم تھے۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی تھی، مگر چہرے پر چھپی ہوئی تکلیف اُس کوشش کو ناکام بنا رہی تھی۔

متین بے اختیار پریشان ہوا۔۔ وہ ایک لمحے کو الجھا کہ واپس اندر چلا جائے۔ اس کے اس طرح سامنے جانے سے شاید وہ شرمندہ ہو جائے۔ لیکن وہ اس طرح کیوں رو رہی تھی۔

متین جانتا تھا سعیدہ پھپھو آج کل کافی پریشان ہیں۔ اس نے آج کی محفل میں یہ بات محسوس کی تھی کہ سفینہ کے ساتھ سب کا رویّہ ظہرہ اور زیبا کے بانسبت بہت مختلف تھا۔ اسے اپنے گھر والوں پر بے حد افسوس ہوا وہ ان کی فیملی کا حصّہ تھی۔۔ اور کسی نے اسے وہ اہمیت نہیں دی تھی جو باقی آنے والے مہمانوں کو دی جا رہی تھی۔

وہ کوشش کے باوجود خود کو نہیں روک سکا۔ اُس نے سفینہ کے بھیگے چہرے کو دیکھا اور خاموشی سے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"سفینہ۔۔۔؟" ہلکا سا آگے بڑھتے اس نے پکارا۔

سفینہ چونک گئی۔

اُس نے فوراً چہرہ اٹھایا۔

سامنے متین کو دیکھتے ہی اُس کی سسکیاں جیسے اچانک رک گئیں۔

سرخ متورم چہرہ، بھیگی پلکیں اور چہرے پر ہلکی ہلکی نمی۔ایک لمحے میں اُس نے اپنے آنسو صاف کیے، دوپٹہ درست کیا اور کھڑی ہو گئی۔

اُسے اچانک اپنی حالت پر شرمندگی محسوس ہوئی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ خاندان کا کوئی فرد اُسے اس طرح کمزور دیکھے۔اور خاص طور پر متین۔۔۔جو ابھی ابھی اس گھر میں آیا تھا، جس کے سامنے وہ خود کو ہمیشہ سنبھلی ہوئی دکھانا چاہتی تھی۔

"جی۔۔۔" آواز میں عجیب سی گھبراہٹ تھی۔

متین نے غور سے اُس کا چہرہ دیکھا۔

"وہ۔۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔اُسے سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"میں نے آپ کو پریشان کیا؟"

"نہیں۔" سفینہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" اپنے چوری پکڑے جانے کا احساس ہونے لگا۔ وہ جانے کے لیے پلٹی۔

"ایک منٹ۔" متین کی آواز پر اُس کے قدم رک گئے۔

"آپ رو رہی تھیں۔" متین نے اس کے روئے روئے چہرے کو دیکھا۔

سفینہ نے نظریں جھکالیں۔ اسے متین کی آمد کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

"نہیں۔۔۔"

"میں نے دیکھا ہے۔" نرم لہجے میں اس نے اصرار کرتے ہوئے پوچھا۔

سفینہ خاموش رہی۔

وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح یہ بات ختم ہو جائے۔ وہ بس واپس محفل میں چلی جائے، ظہرہ کے سامنے مسکرا دے اور سب کو یہ یقین دلا دے کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔

"گھر میں کوئی مسئلہ ہے؟"

اُس نے فوراً سر اٹھایا۔

"نہیں۔"جواب بہت جلدی آیا تھا۔

متین نے اُسے چند لمحے دیکھا۔

"تو پھر؟"

سفینہ کے پاس جواب نہیں تھا۔سفینہ نے نظریں چرا لیں۔اسے ایک بار ڈھیروں رونا آیا۔۔
اب کی بار یہ رونا متین کے سامنے ہوتی اپنی شرمندگی پر تھا۔

اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی ساری کم مائیگی،اُس کے گھر کے حالات،اُس کی بے بسی،
سب کچھ اُس کے بھیگے ہوئے چہرے سے عیاں ہو گیا ہو۔

"کچھ نہیں۔۔۔بس ذرا طبیعت بوجھل تھی۔"

متین کو اُس کا جواب مطمئن نہیں کر سکا۔

"صرف طبیعت بوجھل ہونے پر انسان اس طرح نہیں روتا۔"

سفینہ نے لب بھینچ لیے۔

وہ جانے کے لیے پھر مڑی، مگر اُس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اُتر آئی۔

متین نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ بتانا نہیں چاہتیں تو کوئی بات نہیں۔"

سفینہ نے اُس کی طرف دیکھا۔

اُس کے چہرے پر پہلی بار ایک ایسی سنجیدگی تھی جس میں تجسس کم اور فکر زیادہ تھی۔اور اس کی زندگی میں اس کی فکر کرنے والوں کی ہمیشہ سے کمی رہی تھی۔

اور شاید یہی چیز اُس کے ضبط کی آخری دیوار ثابت ہوئی تھی۔

اُس کی پلکیں بھیگ گئیں۔وہ فوراً دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"میں۔۔۔"

آواز رُک گئی۔

متین خاموش کھڑا رہا۔

سفینہ نے گہری سانس لی۔

"آج۔۔۔ ظہرہ کا برتھ ڈے ہے۔"

متین نے قدرے حیرت سے اُسے دیکھا۔ سفینہ کی آواز اب بھیگی ہوئی تھی۔

"اور میں بھول گئی۔۔ میں اُس کے لیے کچھ نہیں لائی۔"

اُس نے فوراً آنکھیں صاف کیں۔

اُسے یہ بات کہتے ہوئے بھی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنی بڑی محفل، اتنے لوگ، اتنے قیمتی تحفے۔۔۔ اور اُسے پریشانی صرف اس لیے تھی کہ اُس کے پاس اپنی سب سے عزیز دوست کے لیے کچھ نہیں تھا۔

متین چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اُس نے کچھ سوچتے ہوئے بہت سادہ انداز میں کہا۔

"اتنی سی بات کے لیے آپ رو رہی ہیں؟"

سفینہ نے بے اختیار اُسے دیکھا۔ اُس کے لیے شاید واقعی یہ ایک چھوٹی سی بات تھی۔ مگر سفینہ کے لیے بات چھوٹی نہیں تھی۔

اس کے لیے یہ صرف ایک تحفے کا مسئلہ نہیں تھا۔

یہ تحفہ اُس کی اپنی حیثیت کا تعین کرنے والا تھا۔

"وہ۔۔۔میری بہت اچھی دوست ہے۔میں اُس کا دن بھول گئی۔"

اُس نے دھیرے سے کہا۔

"آپ نے بھولا ہے، جان بوجھ کر تو نہیں کیا۔"

متین نے اُسے دیکھا۔اب اُس کے لہجے میں تھوڑی نرمی آگئی تھی۔

سفینہ نے کچھ نہیں کہا۔متین کو جیسے کوئی خیال آیا۔

"میں لندن سے کچھ تحفے لایا تھا۔۔"وہ بات مکمل کرتا اس سے پہلے ہی وہ بول چکی۔

"نہیں، رہنے دیں۔"

اس کی بات سمجھتے سفینہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"میں آپ کا تحفہ اُسے نہیں دے سکتی۔"

متین نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ پھر وہ میرا دیا ہوا تحفہ نہیں ہو گا۔" وہ آہستہ سے بولی۔

اُس کی آواز میں خودداری صاف محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کسی کا احسان لے کر اپنی دوست کے سامنے کھڑا ہونا نہیں چاہتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ ظہرہ کی خوشی کے بیچ بھی اُسے اپنے خالی ہاتھ یاد رہیں گے۔

"وہ آپ کا دیا ہوا تحفہ ہو گا۔"

متین چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اُس کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدہ مسکراہٹ آئی۔

"تو پھر ایک کام کرتے ہیں۔"

سفینہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں نے ابھی تک آپ کو کوئی تحفہ نہیں دیا۔ جبکہ میں باقی سب کزنز کو لندن سے آنے کے بعد ان کے گفٹ دے چکا ہوں۔۔"

وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔

"آپ بھی تو میری کزن ہیں۔ بالکل زیبا اور ظہرہ کی طرح۔"

سفینہ خاموش اُسے دیکھتی رہی۔

یہ بات درست تھی۔

لیکن اس کے باوجود اُس کا دل اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔

اس نے ہمیشہ کوشش کی تھی کہ اپنی ضرورت کسی کے سامنے نہ رکھے۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ آج بھی وہ صرف اپنی وجہ سے نہیں بلکہ ظہرہ کی وجہ سے یہاں کھڑی تھی۔

"تو اسے میرا تحفہ سمجھ لیجیے۔"

"لیکن۔۔۔"

"اب آپ اُسے ظہرہ کو دیں یا اپنے پاس رکھیں، آپ کی مرضی۔"

سفینہ کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جو آنسوؤں میں کہیں کھو گئی۔

مگر اُس مسکراہٹ کے پیچھے بھی ایک گہری شرمندگی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ وہ یہ تحفہ اپنی خوشی سے نہیں لے رہی۔

وہ صرف اس لیے لے رہی تھی کہ چند لمحوں بعد جب سب کے سامنے ظہرہ کا برتھ ڈے منایا جائے گا تو اُس کے خالی ہاتھ اُسے خود بھی اور دوسروں کو بھی اُس کی حیثیت یاد نہ دلائیں۔

وہ اپنی خودداری کو ایک طرف رکھ رہی تھی۔

صرف ظہرہ کی خاطر۔

صرف اُس ایک لمحے کی سبکی سے بچنے کے لیے۔

متین نے پہلی بار اُسے یوں مسکراتے دیکھا۔

"پھر بھی۔۔۔" وہ ہچکچائی۔

"اتنا سوچنے کی ضرورت نہیں۔" اُس نے بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

متین کے لیے شاید یہ واقعی اتنی ہی معمولی بات تھی جتنی کسی پریشان شخص کی مشکل آسان کر دینا۔ وہ سفینہ کے اندر چلنے والی اس پوری کشمکش سے واقف نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد متین واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مخملی ڈبہ تھا۔

اُس نے ڈبہ سفینہ کی طرف بڑھایا۔

سفینہ نے جھجکتے ہوئے اسے لے لیا۔

اُس کی انگلیاں ڈبہ لیتے ہوئے ایک لمحے کو ٹھٹکیں، جیسے دل اب بھی اُسے روک رہا ہو۔

"کھول کر دیکھ لیں۔" اُس نے ڈبہ کھولا۔

اندر ایک نہایت نفیس سا پینڈنٹ رکھا تھا۔

سفینہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

اُس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت ابھری، پھر وہی جھجک واپس آ گئی۔

"یہ۔۔۔ بہت قیمتی لگ رہا ہے۔"

اس نے بھیگی آواز میں کہا۔ سفینہ کو ایک بار پھر اپنی انا مجروح ہوتی نظر آئی۔۔ لیکن سارے خاندان کے سامنے بے عزت ہونے سے بہتر تھا کسی ایک کے آگے اپنی عزت نفس قربان کر دے۔۔ ہر بار وہ کسی ایک ظہرہ ہوتی تھی۔۔

اسے عجیب سا محسوس ہوا۔

وہ کسی سے کچھ لینے کی عادی نہیں تھی۔اور آج ایک ایسے شخص کے سامنے کھڑی تھی جس سے اس کی ابھی اتنی شناسائی بھی نہیں تھی،اور اُس کے ہاتھ میں وہ چیز تھی جو اسے خود اپنے پاس سے اپنی دوست کے لیے لانی چاہیے تھی۔

اس کے دل میں شرمندگی بھی تھی،احسان کا بوجھ بھی اور اپنی خودداری کو خاموش کر دینے کی تکلیف بھی۔

مگر پھر اُس نے ظہرہ کے چہرے کا تصور کیا۔

اُس کی مسکراہٹ۔

اُس کی خوشی۔

اور سفینہ نے خاموشی سے اپنی انا کو ایک طرف رکھ دیا۔

"جس کے لیے ہے،وہ زیادہ اہم ہے۔" متین نے اس کا دل بہلانے کو بولا۔

اور سفینہ کی آنکھوں میں ظہرہ کا سراپا آیا۔۔یہ تحفہ ظہرہ کا تھا ظاہر ہے قیمتی ہی ہونا تھا۔وہ دل سے متین کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی مگر الفاظ حلق میں اٹکنے لگے تھے۔

اُس کے ہونٹ ہلے مگر آواز نہ نکلی۔

سفینہ نے اُس کی طرف احساس تشکر سے دیکھا۔ مگر متین نے اُس کی نگاہ کا جواب نہیں دیا۔۔ زندگی میں پہلی بار ظہرہ کے علاوہ کوئی دوسرا تھا، جو اس کے لیے مسیحا بن رہا تھا اور سفینہ کا دل اس کے سامنے احساس تشکر سے جھک رہا تھا۔۔

"خوش رہیے۔" وہ سر ہلاتا آگے بڑھ گیا۔

سفینہ کچھ لمحے اُسے جاتا دیکھتی رہی۔

پھر اس نے پینڈنٹ احتیاط سے بند کیا۔ اُس کی آنکھوں میں موتی اب بھی چمک رہے تھے۔ اس کا دل بات بے بات رونے کو چاہ رہا تھا۔

اُس نے ڈبہ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیا۔

آج متین سکندر نے اسے سب کے سامنے رسوا ہونے سے بچا لیا تھا۔

اور اس احسان کے ساتھ ہی اُسے اپنی خودداری کے خاموشی سے ایک طرف رکھ دینے کا دکھ بھی اندر کہیں چبھتا رہا۔

اس کا خیال اب اپنی حالت کی طرف آیا۔۔اگر ظہرہ نے اُس کی ایک جھلک بھی دیکھ لی تو وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔۔وہ گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھی تا کہ اپنی حالت درست کر سکے۔وہ پہلے سے اب قدرے مطمئین تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

رات کافی گزر چکی تھی۔

گھر چھوٹا سا تھا، جس کے کمروں کے درمیان کشادہ راہداری تھی اور سامنے ایک مختصر سا صحن۔ صحن کے ایک کونے میں رکھا ہوا پرانا مٹی کا گھڑا رات کی خنکی میں خاموش کھڑا تھا۔دیواروں پر چونے کی سفیدی جگہ جگہ سے مدھم پڑ چکی تھی اور چھت پر لگا پنکھا اپنی ہلکی سی گھوں گھوں کے ساتھ آہستہ آہستہ گھوم رہا تھا۔

گھر کی روشنیاں ایک ایک کر کے بجھ چکی تھیں۔صرف راہداری میں لگا کم وولٹیج کا بلب مدھم سی روشنی دے رہا تھا۔پورے گھر میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی، صرف کہیں دور گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی اور کبھی کبھار باہر گلی سے کسی آوارہ کتے کے بھونکنے کی آواز آجاتی۔

قیصر آج کچھ دیر سے گھر آیا تھا۔

نئ نئ نوکری تھی، اس لیے کام کے اوقات کا کوئی خاص اعتبار نہیں تھا۔ کبھی اخبار کے دفتر میں دیر تک بیٹھنا پڑتا، کبھی کسی خبر کے سلسلے میں باہر جانا پڑتا اور کبھی اگلے دن کے لیے مواد مکمل کرتے کرتے رات گزر جاتی۔

دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو گھر کو مکمل خاموش پایا۔

وہ آہستہ سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا، مگر راستے میں اُس کی نظر کھانے کی میز پر پڑی۔

کھانا ڈھکا ہوا رکھا تھا۔

چھوٹی سی میز کے ساتھ رکھی لکڑی کی کرسیاں خاموشی سے اپنی جگہ پر تھیں۔ پاس ہی پانی کا جگ اور چند اسٹیل کے گلاس رکھے تھے۔

وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔

پھر اُس کی نظر گھڑی پر گئی۔

رات کے تقریباً ایک بج رہے تھے۔

قیصر نے آہستہ سے ڈھکن اٹھایا۔ کھانا ابھی ہلکا سا گرم تھا۔

اُس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے تھکن کے بیچ نرمی آئی۔

وہ سمجھ گیا۔

فریحہ نے اُس کے لیے کھانا گرم رکھا تھا۔

گہری سانس بھرتے وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

نوالہ منہ میں ڈالتے ہی اُسے احساس ہوا کہ کھانے کا ذائقہ آج معمول سے زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔

وہ سمجھا شاید آج وہ ضرورت سے زیادہ بھوکا تھا اس لیے کھانا بھی معمول سے زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ اُس نے شام کی چائے کے بعد سے کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے وہ نہایت ہی رغبت سے کھاتا رہا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ برتن اُٹھا کر کچن میں رکھ کر آیا پھر بچا ہوا کھانا اس نے فریج میں رکھا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔

اُسی وقت راہداری کے دوسرے سرے سے ہلکی سی آہٹ ہوئی، شاید کھٹ پٹ کی آواز سے کوئی جاگ گیا تھا۔

"فریحہ۔۔۔؟"

وہ شاید ابھی سوئی نہیں تھی۔

قیصر رک گیا۔

"آپ جاگی ہوئی تھیں؟"

فریحہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔وہ کچھ دیر پہلے ہی اندر کمرے میں گئی تھی اس کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ تھا لیکن باوجود اس کے اُس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔
"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ برتن کی آواز سے کچی نیند سے جاگی ہے۔

قیصر نے اُس کی طرف چند لمحے دیکھا۔اس کی قمیض پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں ڈوپٹہ بھی جلد بازی میں سر پر لیا ہوا تھا۔اس کی آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں۔قیصر کو اس حالت میں اس کا اپنے لیے جاگنا قطعاً پسند نہیں آیا تھا۔

"آئندہ میرا انتظار مت کیجیئے گا۔"

وہ قدرے سنجیدہ ہو کر بولا۔ فریحہ کی مسکراہٹ وہیں ٹھہر گئی۔

"کیوں؟"

"میرے اوقات کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ کبھی جلدی آؤں گا، کبھی دیر سے۔"

وہ ایک لمحے کو رکا۔

"آپ کو میرے لیے رات کے اس وقت جاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

فریحہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔ اس کا لہجہ سخت تھا۔۔ فریحہ کے دل میں عجیب سا درد اٹھا۔۔ وہ اُس کے اس لہجے کی عادی نہیں تھی۔

"میں اپنا کام خود کر سکتا ہوں۔ کھانا بھی خود لے لیا کروں گا۔"

قیصر نے قدرے نرم لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔ فریحہ نے کچھ کہنا چاہا، مگر اُس کے چہرے کی سختی دیکھتے اس نے صرف سر ہلا دیا۔

"جی۔"

قیصر آگے بڑھ گیا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کے جانے کے بعد فریحہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی تھی۔

وہ دیوار کے ساتھ کھڑی سوچتی رہی۔۔ پچھلے کچھ عرصے سے قیصر کا رویہ اس کے ساتھ قدرے سخت تھا۔۔ قیصر کو اُس کی چھوٹی چھوٹی فکر بھی چبھنے لگی تھی۔ اور یہ خیال اُسے بے چین کر رہا تھا۔ وہ کافی عرصے سے غور کر رہی تھی قیصر اس سے گریز کرنے لگا ہے۔ شاید اس کی آنکھوں میں چمکتی محبت کی کرن سے وہ اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا۔ اور یہ رویہ فریحہ کے دل میں عجیب وسوسے پیدا کر رہا تھا۔ اسے وہ قیصر یاد آیا جو اس کے کھانے پینے پر نظر رکھا کرتا تھا اسے ڈانٹ کھانا کھانے کی تاکید کیا کرتا تھا۔۔ اور دیوار سے ٹیک لگا یے کھڑے وہ اس وقت میں جا پہنچی تھی۔

ایک بار گھر میں مہمان بہت زیادہ تھے۔ فریحہ مسلسل کام میں لگی ہوئی تھی۔ کبھی چائے لے کر آتی، کبھی کسی کے لیے پانی، کبھی مہمان بچوں کو سنبھالتی۔

قیصر ایک طرف بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے اخبار تہہ کیا اور فریحہ کی طرف دیکھا۔

"آپ صبح سے کام کر رہی ہیں۔"

"نہیں تو۔"

"نہیں تو کیا؟"

فریحہ ہنس دی۔

"بس تھوڑا سا۔"

قیصر نے سامنے پڑی پلیٹ اُس کی طرف بڑھائی۔

"یہ کھالیں۔"

"مجھے بھوک نہیں۔"

"فریحہ۔"

اُس کے لہجے میں ہلکی سی ڈانٹ تھی۔

"صبح سے کچھ نہیں کھایا آپ نے یہ اچھی بات نہیں ہے۔پہلے کچھ کھائیں پھر کوئی کام کیجیئے گا۔"

فریحہ نے اُس کی طرف دیکھا۔

"آپ کو کیسے پتا؟"

"مجھے اپنے گھر کے ہر فرد کا پتا چل جاتا ہے۔"

اُس نے سادگی سے جواب دیا۔

"کھالیں۔"

فریحہ نے پلیٹ لے لی۔ قیصر دوبارہ اخبار پڑھنے لگا۔ فریحہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر خاموشی سے ایک نوالہ کھالیا۔ قیصر نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُس کی یہ معمولی سی فکر فریحہ کے دل میں کتنی بڑی جگہ بنا رہی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔

فریحہ کے لیے قیصر کی موجودگی آہستہ آہستہ عادت بنتی گئی۔

کبھی وہ اُس کی کتابیں دیکھ دیتا۔

کبھی گھر سے باہر جانا ہو تو اُسے ساتھ لے جاتا۔

کبھی خاندان کی کسی تقریب میں اُس کے لیے جگہ بنا دیتا۔

کبھی اُس کی طبیعت خراب ہو تو دوا لا دیتا۔

کبھی صرف اتنا پوچھ لیتا کہ "آپ ٹھیک ہیں؟"

اور فریحہ ہر بار اُن چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل میں محفوظ کر لیتی۔

قیصر کے لیے یہ سب کچھ بالکل مختلف تھا۔

وہ فریحہ کو پسند کرتا تھا، مگر صرف اُس اپنائیت کے ساتھ جو اپنے کسی قریبی رشتے دار کے لیے ہوتی ہے۔ چاچا کے انتقال کے بعد سے وہ اس گھر میں موجود واحد مرد تھا۔ اور ان سب خواتین کی ذمہ داری اٹھانا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔

اُسے اُس کی فکر تھی۔

اُسے اُس کی عزت عزیز تھی۔

اُسے اُس کی خوشی اچھی لگتی تھی۔

مگر اُس کے دل میں فریحہ کے لیے وہ احساس نہیں تھا جسے فریحہ نے جانے کب محبت کا نام دے دیا تھا۔

اور شاید اس کی سب سے بڑی بے خبری یہی تھی۔

فریحہ اپنی محبت میں خاموشی سے آگے بڑھتی رہی یہ جانے بغیر کہ وہ اس سفر میں تنہا تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

پارٹی اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔

مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے اور کچھ دیر پہلے تک روشنیوں اور باتوں سے جگمگاتا لان اب قدرے پُر سکون ہو گیا تھا۔ ملازمین برتن سمیٹ رہے تھے، جبکہ وہ سب اب لان میں ہی رکھی آرام دہ نشستوں پر بیٹھے تھے۔

شہنواز سکندر ایک طرف اپنی نشست پر قدرے اطمینان سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اُن کے برابر زرینہ بیگم تھیں، جبکہ سامنے متین اور مزین بیٹھے تھے۔

کچھ دیر پہلے تک سب پارٹی کی باتیں کر رہے تھے، مگر اب گفتگو آہستہ آہستہ دوسری طرف مڑ گئی تھی۔

شہنواز صاحب کے اشارے کو دیکھتے زرینہ بیگم نے متین کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"متین، تم سے بھی ایک بات کرنی تھی۔"

متین نے بھنویں اچکائی اور کچھ آگے ہوتے اطمینان سے ان کی طرف مڑا۔

"جی، امی۔"

زرینہ بیگم نے ایک نظر شوہر کو دیکھا اور پھر بیٹے کو، پھر کھنکھارتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"میں نے اور تمہارے ڈیڈی نے سوچا ہے کہ کل ہی بختیار بھائی کے گھر ہو آتے ہیں۔"

متین کی نگاہ ایک لمحے کے لیے اُن کے چہرے پر ٹھہر گئی۔

"کل؟"

وہ اس جلد بازی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کا دل اس معاملے میں بلکل کورا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی عمر شادی کی ہے اور وہ کرنا بھی چاہتا تھا، لیکن بغیر محبت کے شادی کرنی ہی تھی تو وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر رکنا چاہتا تھا۔ اور ظہرہ بتول میں وہ چاہ کر بھی کوئی خامی نہیں نکال پا رہا تھا۔

"ہاں۔ اب بات کو مزید آگے لے جانے میں کیا حرج ہے؟ کل ظہرہ کو باقاعدہ انگوٹھی پہنا آتے ہیں۔"

اب کی بار شہنواز سکندر نے عجلت میں کہا۔ ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ زرینہ بیگم خاموش خاموش ہی تھیں۔ البتہ مزین اس سب سے کافی خوش دکھائی دیتا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں سے سب سے مطمئین وہی نظر آتا تھا۔ البتہ متین خاموش تھا۔ اُس نے نظریں سامنے لان میں پھیلی روشنیوں پر جما دیں۔

زرینہ بیگم نے اُس کی خاموشی محسوس کی تو قدرے محتاط ہو کر بولیں۔

"اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے، کوئی ایسی بات ہے جو تم کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو۔"

متین نے اُن کی طرف دیکھا۔

چند لمحے وہ خاموش رہا، پھر بہت سادہ انداز میں بولا۔

"نہیں، امی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"پکا؟

"وہ کچھ بے چین ہوئی۔ ظہرہ انہیں بہت پسند تھی پر وہ نہیں چاہتی تھیں متین کسی کے دباؤ میں آکر کوئی فیصلہ لے۔

"جی۔۔"

اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ زرینہ بیگم کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ کل ہی بات پکی کر آتے ہیں۔"

متین نے صرف سر ہلا دیا۔

بات بظاہر اتنی ہی تھی، مگر اُس کے ذہن میں اسی لمحے کئی دوسری باتیں بھی چل رہی تھیں۔

ظہرہ کا چہرہ اُس کے ذہن میں آیا۔ وہ خوبصورت تھی اور ذہین بھی۔ اسے پہلی نظر میں ہی وہ بہت پر اعتماد لڑکی لگی تھی۔ اور وہ ٹھیک ایسی ہی لڑکی چاہتا تھا جو اس کے ساتھ اس معاشرے میں قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔

لیکن اب جب یہ رشتہ باقاعدہ ہونے جا رہا تھا تو اُس کے لیے یہ جاننا ضروری تھا کہ جسے وہ جیون ساتھی بنانے چلا ہے وہ صرف محفل میں خوش مزاج اور پُر اعتماد نظر آنے والی لڑکی ہے یا حقیقت میں بھی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اُس کی اپنی زندگی پہلے ہی آسان نہیں تھی۔

کاروبار میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی کاروباری دشمنیوں نے اس کی زندگی کے معاملات کو پیچیدہ کر دیا تھا۔ فیکٹری کے لیے جگہ کے معاملے میں رکاوٹیں، نئے منصوبوں کی فکر اور اپنی کمپنی کو مضبوط بنیاد دینے کی ذمہ داری یہ سب اُس کے سامنے تھا۔

ایسے میں وہ اپنی زندگی میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کرنا چاہتا تھا جو ہر مشکل پر جذباتی ہو کر بکھر جائے۔

اُسے ایسی شریکِ حیات چاہیے تھی جو زندگی کے فیصلوں میں اُس کے ساتھ کھڑی ہو، ہر قدم پر اُس کی طرف سہارا لینے کے لیے نہ دیکھے۔

اُس نے ایک بار پھر ظہرہ کے بارے میں سوچا۔

کیا وہ واقعی ایسی ہی ہے جیسی دکھائی دیتی ہے؟

کھلتے ہوئی گلاب جیسی ایک پر اعتماد زندگی کی پیچیدگیوں سے نا گھبرانے والی۔

یا یہ سب صرف اُس کا ظاہری انداز تھا؟ اور اندر سے وہ بھی عام لڑکیوں جیسی ہی تھی۔

اُسے پارٹی کے کئی مناظر یاد آنے لگے۔

اب تک کے مشاہدے کے مطابق وہ کمزور طبیعت کی لڑکی نہیں لگتی تھی۔

اور شاید یہی بات متین کو مطمئن کر رہی تھی۔

اُسے کسی ایسی لڑکی کی ضرورت نہیں تھی جو ہر بات پر روئے، ہر مسئلے میں گھبرا جائے یا معمولی پریشانی پر بھی اُس سے سہارا مانگے۔

اُسے ایک ایسی شریک چاہیے تھی جو اُس کے ساتھ قدم ملا کر چل سکے۔

متین نے اپنے خیالات کو وہیں روک دیا۔ ابھی یہ سب محض اندازے تھے۔ وہ ظہرہ کو اتنا جانتا ہی کہاں تھا؟

دوسری طرف گفتگو کا رخ اب شہنواز سکندر کی طرف ہو چکا تھا۔

اُنہوں نے اپنی نشست پر ذرا سیدھا ہوتے ہوئے دونوں بیٹوں کو دیکھا۔

"اچھا، اب تم دونوں سے بھی ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

شہنواز صاحب نے ایک گہری سانس لی، پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کاروبار کی ساری ذمہ داری تم دونوں بھائیوں کو دے دوں۔"

"ساری؟" مزین کے چہرے پر حیرت ابھری۔

"ہاں، ساری۔" شہنواز صاحب ہنس دیے۔

"کافی کر لیا میں نے۔ اب کچھ عرصہ کاروبار سے دور رہ کر اپنی ریٹائرمنٹ انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔"

زرینہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اُن کی طرف دیکھا۔

"آپ کو ریٹائرمنٹ میں بھی سکون کہاں ملنا ہے۔"

"سکون نہ بھی ملا تو کم از کم یہ تو کہہ سکوں گا کہ اب مسئلہ میرے بچوں کا ہے۔"

مزین ہنس پڑا۔ متین مگر خاموش رہا۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"آپ واقعی ساری ذمہ داری ہمیں دینا چاہتے ہیں؟"

شہنواز صاحب نے اُسے دیکھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، میں مذاق کر رہا ہوں؟"

متین کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"نہیں۔"

"تو پھر کل سے تم دونوں اپنے معاملات خود دیکھو۔ فیصلے بھی تم کرو گے اور نتائج بھی تمہیں ہی سنبھالنے ہوں گے۔"

مزین نے بھائی کی طرف دیکھا۔

"تو اب ہم دونوں باس ہیں؟"

"تمہیں صرف یہ سنائی دیا ہے؟" متین نے اُسے ایک نظر دیکھا۔

"مجھے باقی سب بھی سنائی دیا ہے لیکن۔۔۔" وہ ڈرامائی انداز میں گہرہ سانس لیتے پیچھے ہوا۔

"کل سے تم دونوں میرے بیٹے نہیں، اپنی کمپنی میں باس بن کر آفس جاؤ گے۔"

اور وہ دونوں جانتے تھے کہ یہ ذمہ داری آسان نہیں تھی۔

خصوصاً موجودہ حالات میں۔

ملازم چائے لے کر آیا تو وہ سب اپنی اپنی سوچوں میں گُم ہو گئے۔ اور متین کی توجہ ایک بار پھر اپنے خیالات کی طرف لوٹ چکی تھی۔

کل اگر ظہرہ کو انگوٹھی پہنا دی جائی گی۔

اور عجیب بات یہ تھی کہ اسے اس فیصلے سے کوئی خاص فرق محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی کا تصور کر سکتا تھا جو خود کو سنبھال سکے، اُس کی مصروف زندگی کو سمجھ سکے اور ہر مشکل کے سامنے جذباتی ہو کر بکھر نہ جائے۔

اب تک ظہرہ اُسے ایسی ہی محسوس ہوئی تھی۔

لیکن زندگی صرف ایک دو ملاقاتوں اور چند خوشگوار محفلوں سے تو نہیں سمجھی جا سکتی تھی۔۔

متین نے آہستہ سے سانس خارج کی۔ایک طرف کاروبار کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریاں تھیں۔

اور اب زندگی کا ایک نیا فیصلہ بھی اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

کل اگر وہاں سے ہاں ہو گئی تو ظہرہ کو اس کے نام کی انگوٹھی پہنا دی جائے گی۔

اور شاید اُس کے بعد ظہرہ اور اس کا تعلق بدل جائیگا۔

✦✧✦.....✦✧✦

شہنواز چچا کے گھر سے واپس آتے انہیں کافی دیر ہو گئی تھی۔رات کافی ڈھل چکی تھی۔گھر کے باہر پھیلے وسیع لان میں خاموشی اتر آئی تھی۔درختوں کے سائے چاندنی میں گھاس پر بکھرے تھے اور دور کہیں باغ میں لگے قمقموں کی مدھم روشنی اندھیرے کو پوری طرح چھٹنے نہیں دے رہی تھی۔

اوپر والے حصے کے کشادہ کمرے میں ظہرہ اور زیبا کافی دیر تک سب کے دیے گفٹس دیکھتی رہی تھیں۔بڑے پلنگ پر مختلف رنگوں کے کاغذوں میں لپٹے تحفے،ربن اور خوب صورت

ڈبے بکھرے پڑے تھے۔ایک طرف لکڑی کی نفیس ڈریسنگ ٹیبل رکھی تھی، جس کے سامنے رکھی کرسی پر زیبا بیٹھی تھی۔ کھڑکی پر پڑے بھاری پردے رات کی ہوا سے ہلکے ہلکے جنبش کر رہے تھے۔

سفینہ کا تحفہ کھولتے ظہرہ کچھ چونکی تھی۔

نہایت نفیس پینڈنٹ تھا، وہ بھی ڈائمنڈ کا۔

ظہرہ نے چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھا، پھر اسے واپس ڈبے میں رکھ کر ایک طرف کر دیا۔ وہ سفینہ سے اس متعلق بات کرنا چاہتی تھی۔اور یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ زیبا کو اس گفٹ کے بارے میں معلوم ہو۔

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اتنا قیمتی تحفہ سفینہ نے اسے کیوں دیا ہے۔اور اس سب سے اہم سوال یہ تھا کہ اس کے پاس یہ آیا کیسے۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ زیبا کی آواز پر چونکی۔

"تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

زیبا نے لوشن دونوں ہاتھوں پر ملتے ہوئے کچھ سوچنے کے انداز میں ظہرہ سے پوچھا۔

"کس بارے میں؟"

وہ جو پلنگ ٹھیک کر رہی تھی، مڑ کر زیبا کو دیکھنے لگی۔

"متین بھائی اور تمہاری شادی کے بارے میں۔۔۔"

زیبا نے دانت بھینچتے ہوئے سر پر ہاتھ مارا اور افسوس سے اسے دیکھا۔ اس کی بے چینی اس کے لہجے سے صاف عیاں تھی۔ سارا خاندان اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ متین نے ظہرہ کو پسند کر لیا ہے اور وہ بیوقوف اپنی ہی دنیا میں مگن تھی۔

"تمہیں متین بھائی کیسے لگتے ہیں؟"

زیبا نے سوال بدل لیا تھا۔ وہ اس کے دل کا بھید جاننا چاہتی تھی۔

اب کی بار ظہرہ خاموش ہو گئی۔

اس کے دل میں جیسے کوئی طوفان اٹھا تھا جسے سوالات کی لہریں اپنے اندر بہالے جا رہی تھیں۔

اس نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ اسے متین کیسا لگتا ہے۔۔۔

شاید ویسا ہی جیسا اسے مزین لگتا ہے۔

اپنی اکیس سالہ زندگی میں اس نے کسی بھی مرد کے بارے میں اس طرح تو سوچا ہی نہیں تھا۔

اس کی کتھئی چمکتی آنکھیں خاموش تھیں۔

سوچوں کی دوڑ چلاتے ظہرہ پلنگ کے کنارے پر ٹک گئی، پھر بے بسی سے زیبا کو دیکھا۔

"زیبا۔۔۔!"

ہونٹ وا کرتے کچھ کہنے کی کوشش کی، پھر رک گئی۔

زیبا نے ڈریسنگ ٹیبل کی کرسی، جس پر وہ بیٹھی لوشن مل رہی تھی، گھما کر پلنگ کی طرف کر لی۔ وہ اشتیاق سے ظہرہ کو دیکھنے لگی۔

جیسے اس کی آنکھوں کے پردے میں چھپے جواب کو کھینچ نکالے گی۔

اور وہ جو کہے گی، زیبا اس کا ساتھ دے گی۔

اگر اسے متین برا لگتا تو برا کہہ دیتی، اگر اچھا لگتا تو اچھا ہی کہتی۔

"میں تمہیں سوچ کر بتاؤں گی۔۔۔"

ظہرہ نے دماغ کی بھٹکتی لکیروں کو خاموش کروا دیا۔

دل کے کسی کونے میں دبے دبے جذبات جاگ اٹھے تھے، لیکن وہ خود بھی ان سے بے خبر تھی۔ اسے فیصلے کے لیے وقت درکار تھا۔

ظہرہ بتول کو متین سکندر کیسا لگتا ہے، یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

زیبا کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اس کی بہن کبھی پہلی بار میں سیدھا جواب نہیں دے سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد زیبا اٹھی، کھڑکی کے پاس جا کر پردے درست کیے اور پھر اپنے پلنگ پر آ کر لیٹ گئی۔ چادر منہ تک کھینچتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

پتا نہیں وہ سوئی تھی یا اس سے ناراض ہو گئی تھی۔

ظہرہ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ اس کی خفا خفا سی آواز آئی۔

"لیمپ آف کر دو، مجھے نیند آ رہی ہے۔"

کجا کہ وہ اس سے مزید ناراض ہوتی، ظہرہ نے پھرتی سے ہاتھ بڑھا کر لیمپ آف کر دیا۔

کمرے میں اب صرف پردوں کے درمیان سے چھن کر آتی چاند کی مدھم روشنی تھی۔

ظہرہ نے چادر خود پر لیتے آنکھیں بند کیں۔

اور متین کا خیال اسے یوں چھو گیا، جیسے صحرا کی خاموشی میں کوئی میٹھا سا ساز۔

پینٹ کوٹ میں ملبوس، وہ باوقار شبیہ بند آنکھوں کے پار اسے تنگ کرنے لگی تھی۔

اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

یہ وہ پہلی رات تھی، جو اس نے بے چین ہوتے کسی کو سوچتے گزاری تھی۔

اور اگلی صبح جب بڑی امی اور بڑے پاپا متین کا رشتہ باقاعدہ طور پر اس کے لیے لے کر آئے تو اس کے جواب نے جیسے سب کو سرشار کر دیا تھا۔

دونوں گھرانوں میں سب بہت خوش تھے۔ زرینہ بیگم زیبا اور ظہرہ دونوں کے لیے ہی ڈھیروں تحائف لائی تھیں۔

گھر کے بڑوں کا ماننا تھا کہ رشتے کی بات طے کرنے کے اس ابتدائی مرحلے میں لڑکوں کا ساتھ آنا ضروری نہیں، اس لیے دونوں بھائی گھر پر ہی رہے تھے۔

یوں دن آہستہ آہستہ گزرنے لگا۔ اور خوشیوں کی محفل جمی رہی۔

✦✧✦.....✦✧✦

اگلی صبح ناشتے کی میز پر قیصر کی آنکھوں کے گرد ہلکے سیاہ حلقے تھے۔

رات کی تھکن ابھی چہرے سے پوری طرح نہیں گئی تھی۔

وہ خاموشی سے چائے پی رہا تھا جب اُس کی ماں نے اُسے غور سے دیکھا۔

"قیصر۔۔۔"

"جی؟"

"رات کھانا کھا لیا تھا نا، بیٹے؟ میں تو سوچ رہی تھی تمہارا انتظار کر لوں، لیکن پھر خیال آیا کہ زیادہ دیر جاگتی رہی تو تہجد کے لیے آنکھ نہیں کھلے گی۔ فریحہ نے بھی کہا کہ وہ تمہارا انتظار کر لے گی۔ مجھے تو اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اتنی رات گئے تک تمہارے لیے جاگتی رہے، مگر بس کیا بتاؤں... آنکھ لگ گئی اور مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ تم کب آئے۔"

وہ ڈبل روٹی پر مکھن لگاتے ہوئے اُسے رات کا سارا ماجرا سنا رہی تھی۔

قیصر نے فوراً اُن کی طرف دیکھا۔

"تقریباً ایک بج گیا تھا امی۔ لیکن آپ نے فریحہ کو کیوں جگائے رکھا۔۔"

چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے اس نے ان دھیمے سے کہا۔ ٹیبل پر صرف وہ دو نفوس ہی موجود تھے۔

"ہاں، مجھے خود بھی اچھا نہیں لگا اسے بے آرام کرنا لیکن۔"

ان کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھا۔

"میں بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اس کا اس طرح آدھی رات کو اکیلے میرے لیے جاگنا غیر مناسب ہے۔۔"

اس کا انداز کافی سخت تھا۔ حلیمہ بیگم نے اس کی طرف کھوجتی نظروں سے دیکھا پھر کچھ توقف کے بعد کہا۔

"وہ تو تمہارے لیے کھانا گرم کر کے بیٹھی تھی، کہہ رہی تھی اس کی آنکھ لگی اور تم آئے لیکن جاگ گئی تھی پھر وہ چائے کا پوچھنا چاہ رہی تھی تم سے لیکن تم نے کمرے میں بھیج دیا اسے واپس۔۔ اگر وہ تمہارا خیال کرتی ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔۔؟"

قیصر نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔

"امی، میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے جاگے۔۔میں نہیں چاہتا وہ میرا خیال رکھے۔۔میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔۔عمر کے جس حصے میں ہم دونوں ہیں اس طرح دیر رات اس کا میرے پیچھے جاگنا نامناسب ہے،باقی آپ سمجھدار ہیں۔۔آئندہ اسے اس طرح اکیلے میرے لیے جاگنے کا مت کہیئے گا۔"

اُس کے لہجے میں سختی تھی،جو معمول کی بات نہیں تھی۔حلیمہ بیگم کچھ جز بز ہوئی۔پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔۔

"وہ تمہاری فکر کرتی ہے۔"

قیصر کچھ دیر خاموش رہا۔۔

حلیمہ خاتون نے اُس کے چہرے کو دیکھا،پھر نہ جانے کتنی دیر سے دل میں رکھی ہوئی بات آخر کار کہہ دی۔

"قیصر۔۔۔میں ایک بات کہنا چاہتی تھی۔"

اُس نے خاموشی سے اُن کی طرف دیکھا۔۔

"کیا؟"

وہ کچھ جھجکیں۔۔پھر آہستہ سے بولیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ اب تمہاری شادی کر دینی چاہیے۔"

قیصر کا ہاتھ جو ان کے ہاتھ کے نیچے تھا انہیں ایک لمحے کو لگا اس نے جھٹکا کھایا ہے۔۔

اس نے خود کو سنبھالا اور خاموشی سے انہیں بات مکمل کرنے دی وہ کچھ نہیں بولا۔وہ جانتا تھا بات کا رخ کس طرف جانے والا ہے۔

حلیمہ بیگم نے اُس کے چہرے کو دیکھا اور پھر بہت نرمی سے کہا۔

"اور تم جانتے ہو کس سے۔"

قیصر کی نگاہ چند لمحوں کے لیے جھک گئی۔

اس کی خاموشی انہیں کھٹک رہی تھی۔۔اس کی سانسیں ضبط سے تیز ہونے لگیں۔

حلیمہ بیگم اُس کے جواب کا انتظار کرتی رہیں۔

مگر قیصر نے فوراً کچھ نہیں کہا۔۔وہ سر جھکائے نیچے دیکھتا رہا۔۔یوں جیسے کہی کھویا ہوا ہو کسی اور دنیا میں، کسی اور کے ساتھ۔۔

"فریحہ تمہیں سمجھتی ہے۔ تمہارا خیال رکھتی ہے۔ ہم بھی چاہتے ہیں کہ۔۔۔"

"امی۔"

قیصر نے پہلی بار اُن کی بات روکی۔

اُس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"میں شادی نہیں کر سکتا۔"

ماں کے چہرے پر ابھرتی حیرت وہ سمجھ سکتا تھا۔

"کیوں؟"

قیصر نے اُن کی طرف دیکھا۔ پھر ان کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکال اور اان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں بھرتے انہیں دیکھا۔

اُس کی آنکھیں رات بھر جاگ کر سرخ تھیں۔

"بس نہیں کر سکتا۔"

"لیکن بیٹا۔۔۔"

"امی، پلیز۔"

اُس نے ان کے ہاتھ پر دباؤ دیتے بے بسی سے کہا۔

"آپ مجھ سے اس بارے میں کوئی مزید کوئی بات نہیں کریں گی۔ اور میں نہیں چاہتا آپ کی کسی بھی بات سے خالہ یا فریحہ اس سلسلے میں کوئی بھی امید باندھیں۔"

حلیمہ بیگم نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن قیصر نے آہستہ سے کہا۔

"میں اُس کی زندگی خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

اس نے بہت امید سے ماں کی طرف دیکھا۔ اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا یوں جیسے وہ ماں کی اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

"میں اپنی زندگی میں کسی کو بھی شامل نہیں کر سکتا۔"

اس کی آنکھیں مارے ضبط کے جھک گئی۔۔ پھر اس نے حلیمہ بیگم کے دونوں ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔۔ پھر ہونٹوں سے۔۔

"بہتر ہو گا آپ فریحہ کے لیے اس گھر سے باہر کوئی رشتہ تلاشیں۔۔میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

ان کا ہاتھ آہستہ سے واپس ان کی گود میں رکھ دیا۔۔اور وہ بھیگتی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔۔وہ سمجھ رہی تھیں وہ سب بھول گیا ہے۔۔اتنے سالوں میں تو اسے سب بھول جانا چاہیئے تھا۔۔یہ کون سی امید تھی جو اسے آج بھی پتھر کا کیے ہوئے تھی۔۔

ایک دوسرے میں محو وہ دونوں نفوس اس بات سے بے خبر تھے کہ صحن کے کونے پر موجود وہ ہستی یہ سب سن چکی تھی جس کی زندگی کے بارے میں وہاں وہ دو لوگ بیٹھ کر فیصلہ کر رہے تھے۔

قیصر کے لفظوں نے اس کے سر پر چھت گرا دی تھی۔

وہ دروازے کے قریب کھڑی تھی۔

نہ جانے کب سے۔

اُس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی، جو اب اُس کی انگلیوں میں بے جان سی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ اندر آنے والی تھی۔

بس ایک قدم اور بڑھانا تھا۔

مگر قیصر کے الفاظ نے اُس کے قدم وہیں روک دیے۔

میں شادی نہیں کر سکتا۔

اُس نے پلکیں جھپکائیں۔

شاید اُس نے غلط سنا تھا۔

شاید قیصر نے کچھ اور کہا تھا۔

مگر اگلا جملہ اُس کے کانوں میں صاف اترا۔

"آپ مجھ سے اس بارے میں کوئی امید مت باندھیے گا۔"

فریحہ کی انگلیاں ٹرے کے کنارے پر جم گئیں۔

اور پھر وہ جملہ۔۔۔

"میں اپنی زندگی میں کسی کو بھی شامل نہیں کر سکتا۔"

اُس کی آنکھوں میں یکدم نمی بھر آئی۔

اُس نے فوراً نظریں پھیر لیں۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اُسے دیکھ لے۔

خاص طور پر قیصر۔

وہ واپس مڑی اور بے آواز قدموں سے وہاں سے ہٹ گئی۔

کسی نے اُس کے جانے کی آہٹ نہیں سنی۔

وہ اپنے کمرے تک پہنچی تو دروازہ بند کرتے ہی اُس کی پشت دروازے سے لگ گئی۔

کچھ لمحوں تک وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

آنکھیں بند۔

ہونٹ بھینچے ہوئے۔

جیسے وہ خود کو سمجھا رہی ہو کہ کچھ نہیں ہوا۔

کچھ بھی نہیں۔

مگر آنکھوں سے ایک آنسو نکل کر گال پر بہہ گیا۔

پھر دوسرا۔

فریحہ نے فوراً ہاتھ سے آنسو صاف کیا۔

وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔

اس لیے نہیں کہ اُسے تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

بلکہ اس لیے کہ اُس کے دل نے جس شخص کو اتنی خاموشی سے اپنا سمجھ لیا تھا، آج پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ شاید وہ تو اس کا تھا ہی نہیں۔

وہ آہستہ سے بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔

اُس کی نظریں خالی پن میں جمی رہیں۔

قیصر کے ساتھ گزرے ہوئے چھوٹے چھوٹے لمحے ایک ایک کر کے اُس کے ذہن میں آنے لگے تھے اس کی تو پوری زندگی قیصر حبیب کے گرد گھومتی تھی۔۔

رات کو اُس کا انتظار کرنا۔

اُس کے لیے کھانا گرم رکھنا۔

اُس کی تھکن دیکھ کر خاموش ہو جانا۔

اُس کی ہر بات کو بغیر کہے سمجھ لینا۔

اور آج۔۔۔

آج اُسی شخص نے اُس کی زندگی کے بارے میں فیصلہ بھی کر دیا تھا۔

فریحہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

اس بار اُس کی سسکی روکنے کی کوشش ناکام ہو گئی۔

وہ جھک کر اپنے گھٹنوں سے لپٹ گئی۔

اور پھر بہت دیر تک روتی رہی۔

باہر گھر ویسا ہی خاموش تھا۔

جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

مگر اُس چھوٹے سے کمرے میں فریحہ کا دل پہلی بار پوری طرح ٹوٹ گیا تھا۔

کچھ رشتے ایک دن میں دل کے قریب نہیں آتے۔

وہ تو چھوٹی چھوٹی باتوں سے دل میں جگہ بناتے ہیں۔

فریحہ کو بھی یاد نہیں تھا کہ قیصر اسے کب اچھا لگنے لگا تھا۔

شاید اُس دن، جب وہ اپنی پڑھائی میں ایک مشکل سوال پر کئی گھنٹوں سے الجھی ہوئی تھی۔

"یہ سمجھ نہیں آ رہا۔"

فریحہ نے کتاب بند کرتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

قیصر سامنے بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اُس نے اخبار سے نظریں اٹھائیں۔

"کیا؟"

"یہ سوال۔"

فریحہ نے کتاب اُس کی طرف بڑھادی۔

قیصر نے کتاب اپنے سامنے رکھی اور سوال پڑھنے لگا۔

"تم نے پورا باب پڑھا ہے؟"

"جی۔"

"پھر یہ سوال کیوں نہیں آرہا؟"

"پتا نہیں۔"

قیصر نے ایک لمحے کے لیے اُسے دیکھا، پھر کرسی ذرا قریب کرلی۔

"دیکھو، اسے ایسے سمجھو۔۔۔"

وہ آہستہ آہستہ اُسے سمجھانے لگا۔

فریحہ خاموشی سے سنتی رہی۔

قیصر کے لیے یہ محض معمول کی بات تھی۔ کزن نے پڑھائی میں مدد مانگی تھی اور وہ مدد کر رہا تھا۔

مگر فریحہ کے لیے اُس وقت قیصر کی آواز، اُس کا اطمینان سے سمجھانا، ہر بات کو دوبارہ سمجھانے پر اُس کا بالکل نہ جھنجھلانا۔۔۔ سب کچھ اس کے دل پر اپنے نقش چھوڑتا گیا تھا۔

"اب سمجھ آیا؟"

"جی۔"

"تو خود حل کرو۔"

فریحہ نے دوبارہ قلم اٹھایا۔

قیصر نے اخبار کھول لیا۔

چند لمحوں بعد فریحہ نے سوال حل کر کے کتاب اُس کے سامنے کر دی۔

"صحیح ہے؟"

قیصر نے دیکھا۔

"ہاں۔"

فریحہ کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

"واقعی؟"

"ہاں بھئی، تم اتنی بھی کمزور طالبہ نہیں ہو۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

فریحہ بھی مسکرا دی۔

اُس دن قیصر کے لیے کچھ بھی خاص نہیں تھا۔

مگر فریحہ کے دل میں اُس دن سب کچھ بدل گیا تھا۔ محبت کی وہ پہلی دستک جو اس لمحے ہوئی تھی اس پر فریحہ کمال نے اپنا دل پورا کے پورا قیصر حبیب کے لیے کھول دیا تھا۔۔اس وقت بھی یہ ڈر اسے تھا کہ وہ اسے نہیں مل سکے گا۔۔اور آج اس ڈر پر جیسے مہر لگنے لگی تھی۔

✦✧✦.....✦✧✦

متین سکندر کے آفس میں معمول سے زیادہ خاموشی تھی۔

میز پر ڈار گروپ آف انڈسٹریز سے متعلق فائلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ زمین کے کاغذات، چند معاہدے، سپلائرز کی تفصیلات اور کچھ ایسے خطوط جنہیں پڑھتے ہوئے متین کے چہرے پر سختی آجاتی تھی۔

وہ ایک خط دوبارہ پڑھ کر میز پر رکھ چکا تھا۔

ڈار گروپ صرف اُس کی فیکٹری کے لیے مطلوبہ زمین حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا، بلکہ اُس کے کاروبار سے وابستہ لوگوں پر بھی دباؤ ڈال رہا تھا۔

یہ اب مقابلہ نہیں رہا تھا۔

یہ ذاتی دشمنی بنتی جا رہی تھی۔

متین نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور چند لمحے چھت کو دیکھتا رہا۔

وہ چاہتا تو اپنے تعلقات استعمال کر کے ڈار گروپ کے کسی منصوبے میں رکاوٹ کھڑی کر سکتا تھا۔ شہنواز سکندر کے تعلقات بھی کم نہیں تھے۔

مگر وہ جانتا تھا کہ طاقت کا جواب طاقت سے دینا ہمیشہ مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔

کبھی کبھی کسی طاقتور شخص کے خلاف اُس کی اپنی طاقت کو استعمال کرنا زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

اور ڈار گروپ کی سب سے بڑی طاقت اُن کا نام تھا۔

متین نے سامنے پڑا اخبار اٹھایا۔ کاغذ کی سیاہی ابھی تازہ تھی۔

اُس کی نظریں چند لمحے صفحے پر ٹھہری رہیں، پھر اُس نے اخبار تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

اُسے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو صرف خبر نہ لکھے۔۔۔

خبر ڈھونڈ سکے۔

اسی خیال کے ساتھ اُس نے انٹر کام اٹھایا۔

"آفس میں اگر کوئی رپورٹر یا اخبار سے متعلق آدمی آئے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔"

"جی سر۔"

انٹر کام بند ہوا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"آئیں۔"

دروازہ کھلا۔ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔

سادہ لباس میں ملبوس وہ لڑکا پہلی نظر میں ہی خوش شکل محسوس ہوتا تھا۔لمبا قد، مضبوط جسامت، گندمی رنگت، تیکھے نقوش اور ہلکے گھنگھریالے گھنے سیاہ بال اُس کے چہرے کو مزید نمایاں کر رہے تھے۔

ہاتھ میں کاغذات کا ایک فولڈر اور اخباروں کا پلندہ تھا۔

انداز میں ہلکی سی جھجھک ضرور تھی، مگر آنکھوں میں نہیں۔

وہ چند قدم آگے بڑھا۔

متین نے اُس پر ایک نظر ڈالی۔

"متین سکندر؟"

نوجوان نے متین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، متین نے اُسے غور سے دیکھا۔

"جی۔"

"قیصر حبیب۔" اُس نے اپنا تعارف کروایا۔ "صحافت سے وابستہ ہوں۔"

متین نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھیں۔"

قیصر بیٹھ گیا۔ متین کی نگاہ اُس کے ہاتھ میں موجود کاغذات پر گئی۔

"آپ کسی اخبار سے آئے ہیں؟"

"ایک اخبار کے لیے کچھ عرصے سے خبریں اور رپورٹس لکھ رہا ہوں۔ مستقل جگہ ابھی نہیں ملی۔"

اُس نے بہت سادگی سے کہا۔ متین نے بھنویں ذرا سی اٹھائیں۔

"تو پھر میرے پاس کیوں آئے ہیں؟"

قیصر نے اپنے ہاتھ میں پکڑا اخبار میز پر رکھ دیا۔

"ڈار گروپ کے بارے میں۔"

متین کا چہرہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ اس شخص کو یہ کہنے ہی والا تھا کہ جس کی نوکری ابھی پکی نہیں ہے وہ بھلا اس کی پاس کیوں آیا ہے۔ متین نے کسی سنئیر جرنلسٹ کی امید کیے بیٹھا تھا۔

اور سامنے موجود شخص کو دیکھ کر وہ بدمزیہ بھی ہوا تھا۔ پر ڈار گروپ کا نام اس کے منہ سے سنتے ہی وہ چپ ہو گیا تھا۔ ڈار گروپ آف انڈسٹریز سے بھلا اس کا کیا تعلق۔

"کیا جانتے ہیں آپ؟"

"اتنا کہ یہ صرف زمین خریدنے کا معاملہ نہیں ہے۔"

قیصر نے جواب دیا۔ متین نے اُسے چند لمحے خاموشی سے دیکھا۔

"اور آپ کو یہ معلومات کہاں سے ملیں؟ آپ کا بھلا ڈار گروپ سے کیا تعلق اور میں آپ کو کیوں ہائیر کروں۔؟"

"چھوٹا ہی صحیح پر صحافی ہوں سر۔ آپ کے اور ڈار گروپ کے تعلقات سے باخبر ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے پاس مجھ سے بہترین دوسرا کوئی آپشن نہیں۔ خیر کچھ لوگوں سے بات کی ہے میں نے لیکن ڈار گروپ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے کوئی راضی نہیں۔ یہ کچھ کاغذات ہیں۔ اور کچھ چیزیں اور بھی ایسی ہیں جس پر ابھی صرف شک ہیں۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو ہم آگے بھی کام کر سکتے ہیں۔"

"صرف شک کی بنیاد پر خبریں نہیں بنتی۔" متین نے پیپر ویٹ ہاتھ میں گھمایا۔۔وہ گہری سوچ میں تھا۔۔

"اسی لیے تو آپ کے پاس آیا ہوں۔"

قیصر کا جواب فوراً آیا۔ متین کی نگاہیں اُس کے چہرے پر جم گئیں۔

"تم جانتے ہو کہ ڈارگروپ کا نام لینے کے بعد خبر چھاپنا اتنا آسان نہیں ہو گا؟"

متین سکندر آپ سے تم پر آیا تھا۔ قیصر حبیب میں دلچسپ تھا۔

"معلوم ہے۔"

"پھر بھی؟"

"اگر ہر صحافی طاقتور لوگوں کے نام سے ڈرنے لگے تو اخبار میں خبریں نہیں، صرف بیانات چھپیں گے۔"

قیصر نے قدرے آگے ہو کر کہا۔ متین کے لبوں پر بہت ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

یہ لڑکا نیا تھا۔ مگر کمزور نہیں تھا۔

"آپ نے میرے بارے میں کیا سنا ہے؟"

"یہ کہ آپ پاکستان واپس آئے ہیں اور اپنا کاروبار شروع کر رہے ہیں۔"

قیصر نے ایک لمحہ توقف کیا۔

"اور یہ بھی کہ ڈار گروپ پچھلے کچھ عرصے سے آپ کے کام میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔"

"یہ خبر آپ نے کہیں پڑھی؟"

"نہیں۔"

قیصر نے صاف جواب دیا۔

"اسی لیے تو تصدیق کرنے آیا ہوں۔"

متین نے میز پر پڑی فائل اپنی طرف کھینچی۔ چند لمحے اُسے دیکھا، پھر فائل قیصر کی طرف بڑھا دی۔

"یہ دیکھیں۔"

قیصر نے فائل کھولی۔ پہلے چند صفحات دیکھنے کے بعد اُس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔

"یہ سب آپ کے پاس ہے؟"

"جو کچھ میرے پاس ہے، یہ صرف اس کا ایک حصّہ ہے۔"

متین کی آواز میں اعتماد تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ڈار گروپ کے خلاف خبر چھپے۔ لیکن میرے نام سے کوئی الزام نہیں۔"

قیصر نے نگاہ اٹھائی۔

"آپ چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سامنے آئے۔"

متین کرسی سے ذرا آگے ہوا۔

"لیکن خبر صرف اس لیے نہیں چھپنی چاہیے کہ ہم دونوں حریف ہیں۔ خبر تب چھپنی چاہیے جب یہ ثابت ہو سکے کہ جو ان فائلز میں ہے وہ سچ ہے۔"

قیصر نے فائل کا ایک اور صفحہ پلٹا۔

"اگر یہ سب ثابت ہو گیا تو؟"

"تو آپ خبر لکھیں گے۔"

"اور اگر اس سب میں آپ کے خلاف بھی کچھ نکل آیا تو، آخر آپ کے پاس یہ سب کیسے آیا؟"

قیصر نے اس کا جائزہ لیا۔

"میرے پاس یہ سب کیسے آیا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر میں اس جرم میں شریک ملا تو تم وہ بھی لکھو گے۔"

متین نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، قیصر کے چہرے پر پہلی بار واضح مسکراہٹ آئی۔

"پھر شاید ہم کام کر سکتے ہیں۔"

"شاید؟"

"میں کسی کے کہنے پر خبر نہیں لکھتا۔" قیصر نے فائل بند کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے جو سچ لگے گا، وہی لکھوں گا۔"

متین نے اُس کی بات غور سے سنی۔

"یہی چاہیے مجھے۔" وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا۔

"لیکن ایک بات سمجھ لیں، قیصر حبیب۔۔یہ معاملہ آسان نہیں ہے۔"

"مجھے آسان کاموں میں زیادہ دلچسپی بھی نہیں۔"

قیصر کا جواب سن کر متین نے پہلی بار کھل کر مسکرایا۔

"آپ کا کیریئر ابھی شروع بھی نہیں ہوا اور آپ نے بڑے لوگوں سے دشمنی مول لینے کا فیصلہ کر لیا؟"

"کیریئر شروع کرنے کے لیے کبھی کبھی بڑی خبر چاہیے ہوتی ہے۔"

قیصر نے فائل اپنے فولڈر میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اور اگر یہ خبر واقعی اتنی بڑی ہوئی تو؟"

قیصر نے اُس کی طرف دیکھا۔

"تو شاید مجھے کسی اخبار کے دروازے پر جا کر نوکری مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔"

متین چند لمحے خاموش رہا۔ پھر میز پر انگلیاں بجاتے ہوئے بولا۔

"آپ یہ کام کریں۔ڈار گروپ کے معاملات کی مکمل چھان بین کریں۔جو چیز ثابت ہو سکتی ہے،اُس کا ثبوت لائیں۔"

"اور پھر؟"

"پھر میں آپ کو وہ سب دوں گا جو میرے پاس ہے۔"

قیصر نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"لیکن ایک شرط میری بھی ہے۔" متین نے بھنویں اٹھائیں۔

"کیا؟"

"اگر میں یہ خبر لکھتا ہوں تو آپ مجھ پر خبر بدلنے یا نرم کرنے کے لیے دباؤ نہیں ڈالیں گے۔"

متین نے چند لمحے اُسے دیکھا۔

"منظور ہے۔"

"پھر کام ہو گیا۔"

قیصر نے فولڈر سنبھالا اور وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"قیصر۔"

متین کی آواز پر وہ رکا اور پلٹ کر دیکھا۔

"اگر ڈارگروپ نے آپ کو روکنے کی کوشش کی تو؟"

قیصر کی آنکھوں میں عجیب سا اعتماد ابھرا۔

"تو میں سمجھوں گا کہ خبر صحیح جگہ لگی ہے۔"

وہ بغیر کسی مزید وضاحت کے باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو متین کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔

اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ نیا صحافی اُس کے کاروباری مسائل کا حل بنے گا یا ایک نئی مصیبت۔

مگر ایک بات واضح تھی۔

قیصر حبیب میں وہ بے خوفی تھی جو کسی بھی بڑے راز کو کاغذ پر لانے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

اور دوسری طرف ڈارگروپ تھا۔۔۔

جو اپنے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو خاموش کرنے کی شہرت رکھتا تھا۔

یہ اُن دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔

اور شاید کسی کو معلوم نہیں تھا کہ آج ایک خبر کی بنیاد رکھنے والے یہ دونوں مرد، آنے والے برسوں میں ایک دوسرے کی زندگی کے ایسے موڑ کا حصہ بننے والے تھے جس کا تصور آج دونوں نے بھی نہیں کیا تھا۔

اس مختصر ملاقات میں شاید چند ہی جملے ادا ہوئے تھے۔۔۔

لیکن دونوں کے ذہن میں ایک دوسرے کا پہلا تاثر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو چکا تھا۔

جاری ہے!